مناظرِ قدرت

جلد دوم

گزارش

الحمدللہ کہ ملک میں اس سلسلہ کی اُمید سے بہت بڑھکر قدر ہوئی۔ معزز اخباروں اور ممتاز بزرگوں نے بالاتفاق اس کی نسبت اظہار پسندیدگی فرمایا اور اس سلسلہ کے جاری رکھے جانے پر زور دیا۔ اشاعت ہوتے ہی بلا مبالغہ فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اکثر صوبوں کے مدارس اور کتب خانوں کے واسطے اس کی منظوری ہوئی۔ غرض ہر طریقہ سے پبلک کی دلچسپی روز افزوں معلوم ہوتی ہے اس ہمت افزائی نے قدرۃً نئے سٹ کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کردی۔ چنانچہ تقریباً چھ ہی ماہ کے وقفہ سے یہ دوسرا سٹ شایع ہو رہا ہے اور تیسرا سٹ بھی مرتب ہو چکا ہے۔ یقین ہے کہ انشاءاللہ تعالےٰ ہر سٹ اپنے ما سبق سے اعلیٰ و بالا ثابت ہوگا۔

سلسلۂ منتخبات نظمِ اردو

مناظرِ قدرت

اوقات مقامات مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع

مرتّبہٗ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر ایم اے او کالج علی گڑھ)

معلّم معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد دوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوئی ۱۹۲۰ء ۱۳۳۷ھ

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گر رہی تھیں۔ بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرمانروائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے۔ شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار ناظم نکل پڑے۔ آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ واہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت

کس طرح خاک میں ملی، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں ان داسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذّب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی و معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح

کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے۔ ہنستوں کو رلاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی قبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاحِ تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کرکے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شایع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوقِ سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شایع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری سے

موجودہ رجحانات اور مقامات پیشِ نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی
ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز
سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے
بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اتنک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ
رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے
ملتی ہیں۔ اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں اسی طرح
جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہی دوسرے
اُردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً
کلام بارد اور یاس انگیز ہی۔ دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش
فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی، جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے
کہ ایسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی
یہ بردت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے
کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد

نہ پڑ جائیں اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی
نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا
کی آمیزش سے خودبخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا
ہو جائے گا۔ علیٰ ہٰذا قدرت کو لیجیے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے
آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر
نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنھ سے
بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی
ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام
میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا
ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے
تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ مِلّت: حمد، نعت، مناجات و اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

(۲) جذباتِ فطرت یہ مجموعہ غالب مرحوم کے ایک لطیف انکشاف فطرت کی شرح ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلہ ہونا نہ تو ممکن ہے نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لیئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھیئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے انہی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی

انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق میں یہ نظمیں بھی ناگزیر ہونگی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظرانداز ہوسکتی ہیں اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائینگے باینہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے بگڑے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب و ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا، حسب صلاحیت اُن کو از سر نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر اُن کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو

ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہونگی۔ اُمید ہی کہ اِس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہوجائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہی اُن کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچیگا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کردیگا۔ اَلسَّعیُ مِنّی وَالْاِتمامُ مِنَ اللہِ۔

الیاس برنی

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
اگست ۱۹۲۰ء



مناظرِ قدرت

جلد دوم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی اور اُس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں:-

فہرست مضامین حصہ دوم

فہرست مضامین جلد دوم

فہرست مضامین جلد دوم

فہرست مضامین جلد دوم

صفحہ

فہرست مضامین جلد دوم

فہرست

فہرست مضامین جلد دوم



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مناظرِ قدرت

۱- ظہورِ صبح

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح   گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح   سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

جلد دوم

چلنا وہ بادِ صُبح کے جھونکوں کا دمبدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صُبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صُبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صُبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی میں ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

انیسؔ

۲- نسیمِ سحر

اے نسیمِ رُوح پرور اے ہوائے خوشگوار ‏ کیسی متوالی ہے تیری چال میں تجھ پر نثار
ہر روش پر لغزشِ مستانہ سے رکھنا قدم ‏ اور وہ اٹھلا کے چلنا شوخیوں سے بار بار
تیرے آنے کی خوشی میں قطرۂ شبنم نسیم ‏ گوہرِ نایاب بن کر ہوتے ہیں تجھ پر نثار
سبز شاخوں پر ہیں تیرے خیر مقدم کو طیور ‏ مرحبا اہلاً و سہلاً کی ہے ہر سو سے پکار

اے نسیمِ صبح بیشک رونقِ گلشن ہے تو
تیرے ہی دم سے ہے وابستہ گلستاں کی بہار

آوج گیاوی

۳- پل پر شامِ تنہائی

ہے پل پہ عجیب لطف دیکھو ‏ منہ جانبِ غرب کرکے بیٹھو
سورج ہے غروب ہوتا جاتا ‏ عالم پہ سکوت سا ہے چھاتا
موجوں سے نسیم کھیلتی ہے ‏ ٹکراتی اور دھکیلتی ہے
پانی کی بچھی ہوئی ہے چادر ‏ مقیش بکھر رہا ہے اس پر

گردوں پہ ہیں رنگ کیسے کیسے | پھیکے اور شوخ بھاری ہلکے
ہر رنگ میں اک نئی ادا ہے | گلزارِ فلک پہ کھل رہا ہے
پانی جو اُفق سے جا ملا ہے | نظّارہ عجیب ہو رہا ہے
اک غم زدہ اک طرف ہے بیٹھا | حیرت سے ہے دیکھتا تماشا
خاطر میں خیال ہے کسی کا | نظروں میں جمال ہے کسی کا

فرقت کی ہے چوٹ اس کے دل پر
آنکھوں کو تلاشِ روئے دلبر

حسرت

۴۔ لُطفِ شب

فلک کواکب و مہتاب سے ہوا روشن | زمیں پہ لیمپ ہیں جگنو کے جابجا روشن
یہ چاندنی کی بہار اور یہ خوشگوار فضا | یہ دل فریب مناظر یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
چڑھا ہے ایک رو پہلا ورق زمانہ پر | برس رہا ہے تجلّی کا ابرِ خوش منظر
چمک ستاروں کی اپنی دکھا رہا ہے فلک | نظر اٹھا تو ذرا جگمگا رہا ہے فلک

اُٹھا اب زمانہ کا کچھ اور رنگ ہی پیاری
زمانہ دیکھ کے یہ سین تنگ ہی پیاری

(ترجمہ نظم انگریزی طامس مور) عزیز

۵ - چاندنی اور خانہ باغ

نظر آئی واں چاندنی کی بہا — کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیا
در و بام یک لخت سارے سپید — ہر اک طاق و محراب صبحِ امید
بلوریں دھرے ہر طرف سنگِ فرش — کہ جس سے منور رہے سنگِ فرش
ہر اک سمت واں نور کا ازدحام — لگے آئنہ قدِ آدم تمام
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر — پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لبِ نہر پر صاف جو غور کی — تو پڑی تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے — ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
معرض پڑا اس میں منقش جو — گرا آ کے واں رشک سے پڑتے ہو
لیئے گود منقش چھوٹے بڑے — ہر اک جا ستارے اڑا دیں گھڑی
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ — زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

جلد دوم

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم — ملیں جس سے جلوۂ مہ کو زیرِ قدم
فقط چاندنی میں کہاں طور یہ — کہ طرّہ نہ جب تک ٹکا اور یہ
زمانہ درخشاں ہوا دُرفشاں — زمیں سے لگا تا سما دُرفشاں
کھڑا ایک نمگیرہ آب دار — کہ تھے جس کے جھالر پہ موتی نثار
جڑاؤ وہ استادے الماس کے — ڈھلے ایک سانچہ کے اک راس کے
کھچی ڈور ہر سمت زرتار کی — لڑی جس کناری کہ ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن — کہ سورج کی ہو گرد جیسے کرن
مغرق بچھی مسند اک جگمگی — کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دہرے — کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے
زمیں نور کی آسمان نور کا — جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے — جوانانِ شبّو کے ہر جا پرے
ستاروں کا مہتاب میں حال یوں — کہ چونے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ — تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ

کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر
بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

۰ جلد دوم

۴- چاندنی اور تالاب

ایک شب جو تھی چاندنی کی بہار سیرِ دریا کو میں اُٹھا اِک بار
پھٹ گیا ابر ہٹ گیا تھا سحاب صاف تھا مطلعِ شبِ مہتاب
تھا فلک سے زمیں تلک اک نور نور سے تھا خلا وہ سب معمور
نور افشاں تھا چشمۂ مہتاب نور آگیں تھا چشمۂ تالاب
تھا جہاں میں کہیں نہ گرد و غبار ہاں مگر تھا بخاطرِ انخبار
پہونچا آخر میں طالبِ تالاب تھا جو تالاب چادرِ مہتاب
سطحِ نوری تھا وہ ہر آئینہ موج تالاب تھی ہر آئینہ
اس میں میں دیکھتا تھا قدرتِ حق کہ وہ آئینہ تھا مجھے مطلق
آب اس وقت ذوق شوق میں آ سر کو ہر سنگ پر پٹکتا تھا
موج زن تھی ہوا باوج اس دم وجد میں تھی ہر ایک موج اِس دم
مرغ دریا تھے ذکر میں اس کے چشم گریاں تھی فکر میں اس کے
دود ماں کا بخارِ اُلفت تھا دلِ ماہی میں خارِ الفت تھا
آئینہ تھی وہاں ہر ایک خذف چشمِ حق بیں تھی سینہ چاک صدف

جلوہ آرا تھا عالم مہتاب
ماہ سے تا بماہی تا اب

میر حسن

۷۔ شب تاریک

ہے وہ بھیانک رات اندھیری — توبہ ہے اے ایزدِ باری
اِکّا دُکّا ہیں کچھ تارے — چھپ گئے باقی خوف کے مارے
کرتی ہے دُنیا سائیں سائیں — صرف درندوں کی ہیں صدائیں
رنگِ عمارت ہے یہ نرالا — جیسے پہاڑ اِک کالا کالا
کوئی سوادِ شب کی حد ہے — گوشہ گوشہ گھر کا لحد ہے

سوچ رہا ہوں باتیں کیا کیا
دیکھ رہا ہوں نقشہ کیسا

عزیز

جلد دوم

۸۔ سمندر کی رات

نصف شب اور اُس پہ کالی رات
ماہِ قمری کی ہے ہلالی رات
سارا عالم ہے خواب میں مدہوش
باسفورس میں ہے نرالا جوش
لہریں پانی کا راگ گاتی ہیں
موجیں اُٹھ اُٹھ کے دف بجاتی ہیں
سطحِ دریا پہ ہے ہمارا جہاز
ہے تلاطم سے محوِ ناز و نیاز
موجیں لوری سنا رہی ہیں اُسے
لہریں جھولا جھلا رہی ہیں اسے
ننھے ننھے وہ خوشنما تارے
چھوٹے چھوٹے وہ دلربا تارے

وہ ہمیں دیکھ کر ہیں دُور سے خوش
ہم اندھیرے میں ان کے نور سے خوش

(ترجمہ نظم انگریزی)

محمد عبد العزیز سوقی

۹۔ لطفِ برشکال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات
جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
چلنے لگیں دلکشا ہوائیں
اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں

جلد دوم

اُمڈے ہیں عجیب دھج کے بادل | برسے وہ گرج گرج کے بادل
کوئل کی صدا پپیہوں کا شور | پر کھول کے ناچتے ہوئے مور
سرسبز وہ جنگلوں میں جھاڑی | سبزہ ہی ڈھکے ہوئے پہاڑی
خودرو پھولوں کی شوخ رنگت | بھینی بھینی وہ مست نکہت
ہے کیسی نظر فریب و مرغوب | نازک نازک ہری ہری دوب

خوش پھر رہے ہیں چرند چرتے
ہیں چوکڑیاں غزال بھرتے

عزیز

۱۰- برق و باراں

بن گیا ہے کرۂ تاریک بالکل آسماں | بادلوں کو دیکھ کر دل کہہ رہا ہے الاماں
غیر ممکن ہے گرج سن کر کوئی گھبرا نہ جائے | قہر برپا کر دیا ہے بادلوں نے ہائے ہائے
ہو گیا ہے برقِ سوزاں کا فلک پر اقتدار | جھاڑتی پھرتی ہے ظالم ہر طرف اپنے شرار
کوندتی ہے اس طرح ہو ہو کے ہر دم بیقرار | چل رہی ہے تیغ گویا آسماں پر بار بار
ہر طرف معلوم ہوتی ہے لگی اک آگ سی | اللہ اللہ اس قدر سرعت یہ آئی وہ گئی

کیا تعجب ہے دہلتی ہے جو یہ رہ رہ کر زمیں
اُڑ گئی ہے آج شاید آسماں کی میگزیں

دفعتہً آتی ہے پھر اک سرسراہٹ کی صدا
دُور کے کھیتوں میں ہے بالکل دھواں چھایا ہوا

رفتہ رفتہ یہ دھواں نزدیک بالکل آ گیا
بڑھ گئی پہلے سے بھی اب سرسراہٹ کی صدا

دیکھتے کیا ہیں کہ بارش سر کے اوپر آ گئی
ہر طرف پڑنے لگیں بوندیں پٹاپٹ زور کی

دیکھ کر یہ طفل و برنا و پیر سب مسرور ہیں
یاس و غم ان کے دلوں سے اب تو کوسوں دور ہیں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے ہر طرف لبریز ہیں انسان کے

ھادی

۱۱۔ برسات

آئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سو
آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اُڑ کر

کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دلکش
ہو کے خوش مور نے بھی ناچ میں پھیلا دیئے پر

فاختہ دید میں ہے سرو سہی کے مشغول
مسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر

بھونرے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی
آ کے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر

بال سنبل کے جو اُلجھے ہوئے پائے اُس نے
شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آ کر

آئی برسات ہرے پھر ہوئے دل کے زخم
باغ میں پھر ہی جنوں خیز ہواؤں کا گزر

جمال عظیم آبادی

۱۲۔ برسات

اُمڈ کے آئی ہے گھٹا سیاہ چھائی ہی گھٹا
جو فرق ہے تو نام میں سحر میں اور شام میں
غضب ہی رعد کی کڑک رہا ہی جس سے دل دھڑک

جھڑی لگی ہی زور کی
کچھ انتہا ہے شور کی

وہ ہو رہا ہی شور کچھ وہ جا رہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم یہ کیسے ہو گئے بہم
ہی ایک بیچ میں کھڑا عجب ادا سے ناچتا

جو تال سم ہیں مل رہے
تو سارے پر ہیں ہل رہے

کہیں جو لالِ ابر ہے وہ مایۂ سوزِ صبر ہے
ہی آہ کتنی دل رُبا فلک میں سُرخیِ حنا
ہی جس کا عکسِ خوشنما کچھ یوں زمیں پہ پڑ رہا
کہ ہی نگاہِ عام میں
سحر کا لطف شام میں

سَحَر

۱۳- برسات

رُت ہی برسات کی بہت پیاری موج زن جھیلیں ندّیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب کر رہے ہیں نظر کی دلداری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہی سبز مخمل سے ہی سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے جن سے شرمندہ باغ کی کیاری
ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں روح پر ہوتی ہی خوشی طاری
سوندی سوندی زمین کی مٹی بھینی بھینی چمن کی بو پیاری
کوکلہ بگلہ کوئیں طاؤس اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری

جلد دوم

قازیں مرغابیاں بطیں سُرخاب ۔۔۔ جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری
شفقِ سُرخ رنگ لائی ہے ۔۔۔ لالہ گوں ہے سپہر زنگاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گرد تک ۔۔۔ زرد، اودی سنہری زنگاری
سیر مجھی بھون کی چل کر دیکھ ۔۔۔ کیا نمایاں ہے قدرتِ باری

مچھلیوں کی چمک میں ہے جھل بل
جیسے رقصاں تبانِ فرخاری

منیر

۱۴- برسات

پرندوں نے ہر سو مچائی ہے دھوم ۔۔۔ کہ آئے ہیں بادل سیہ جھوم جھوم
جو پر اپنے پھیلا کے ناچے ہے مور ۔۔۔ تو مینڈک نے پانی میں ڈالا ہے شور
پپیہوں کی پی پی وہ کوئل کی کوک ۔۔۔ کلیجے سے عاشق کے نکلے ہے ہوک

جہاں سارا دم بھر میں جل تھل ہوا
کہ اک چادرِ آب جنگل ہوا

طور

جلد دوم

۱۵- برسات

بجلی چمک رہی ہے بادل بھی چھا رہے ہیں
کیا لطف کا سماں ہے کیا لطف آ رہے ہیں
رفتار بادلوں کی کیا لطف دے رہی ہے
پورب سے آ رہے ہیں پچھّم کو جا رہے ہیں
دیوانہ وار بچّے پھرتے ہیں شور کرتے
پانی سے کھیلتے ہیں خوش خوش نہا رہے ہیں
ایسا سماں ہے دلکش اس وقت کچھ نہ پوچھو
بادل برس رہے ہیں دل کو لُبھا رہے ہیں

حامد

۱۶- برسات

وہ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے گلشن میں
کہ جس کے جھونکوں سے بشاش ہو دلِ بیمار

وہ جھوم جھوم کے آنا گھٹا کا ہر سو سے
وہ شاخِ سرو پہ آنا وہ قمریوں کی پکار
وہ بار بار پپیہوں کا "پی کہاں" کہنا
وہ کوئلوں کا درختوں پہ کوکنا ہر بار
وہ سبزہ زار ہیں ہر سمت پر گھلے شجر
گمان جس پہ زمرّد کا ہوتا ہے ہر بار
کہیں ہے جوہی کہیں موتیا کہیں بیلا
کہیں گلاب کہیں نسترن کہیں ہے چنار
عجیب فصل ہے برسات کی بھی صلِّ علیٰ
درود پڑھنے کے قابل ہے صنعتِ غفّار

اوجؔ

۱۷۔ برسات

پورب سے گھٹائیں کالی کالی سرسبز زمیں کو کرنے والی
مخلوق کو چین دینے والی مستوں کی دعائیں لینے والی

مستانہ اٹھیں بڑھیں امنڈ کر — آفاق پہ چھا گئیں سراسر

دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں — دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں
بارش کا جو تار لگ گیا تھا — رحمت کا پیام لا رہا تھا
قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے — فوّارے کروڑوں چھوٹتے تھے
مخلوق کے دل کو چین آیا — خوش خوش ہے ہر ایک پیر و برنا
اطفال بہم نہا رہے ہیں — پانی کی خوشی منا رہے ہیں
رحمت کا نزول ہو چکا ہے — سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے
ہر شاخ نہا نہا کے نکھری — قدرت نے کیے نثار موتی
ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا — ہر برگ سے زندگی ہویدا
آواز پپیہا دے رہا ہے — خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے
عشاق کا دل ہے محوِ تاثیر — سناٹے میں دشت مثلِ تصویر
فریاد میں دردِ دل نہاں ہے — مفہوم فغاں سے "پی کہاں" ہے
اس زور سے کھینچتا ہے پیہم — رہ جاتا ہے چپ وہ ہو کے بیدم
کوئل وہ نظیرِ قیس و لیلیٰ — جاں سوختہ سانولی سلونی
پُرسوز و گداز اس کی آواز — مہجوروں کی دردِ دل کی ہمراز

جلد دوم

گلزار ہیں باغ اس کے دم سے پرکیف دماغ اس کے دم سے
چوپایوں کے صاف ستھرے گلّے رمنوں میں اِدھر اُدھر ہیں چرتے
سبزے میں سفید اور کالے
بھاتے ہیں نگاہ کو وہ کیسے

حسرت

۱۸- برسات

پانی کھلا ہی اس دم برس کر دیکھیں تو چل کر جنگل کا منظر
آتا نظر ہی قدرت کا جلوہ چاروں طرف ہی سبزہ ہی سبزہ
کیسی ادا سے بہتے ہیں جھرنے پانی کی موجیں نکلی ہیں بھرنے
پانی میں کیسی دولت بہادی قدرت نے سیروں چاندی گلادی
گرنا چٹانوں سے کیسے اُچھل کر گودی میں سبزہ کی جانا مچل کر
جانا تو یوں کوئی سُن گن نہ پائے سبزہ کی چادر سے مُنھ کو چھپائے
پانی کے تھمنے سے پھیلا اُجالا سورج نے پردہ سے مُنھ نکالا
اُٹھ کر چلے ہیں پانی کے مارے نالوں کو پھاند اپہنچے کنارے

کب تک نہ بھیگے خود کو سنبھالے
سر پہ کھڑے ہیں بھادوں کی جھالے

فقیر

۱۹- جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر یہ فضائے بر شگالی
یہ نسیم روح پرور یہ گھٹائیں کالی کالی
لبِ جو برسنے والی

کہیں مینھ کے ہیں جھالے کہیں بادلوں کی ہیں دَل
کہیں بہہ رہے ہیں نالے کہیں روپ پر ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

جو اُبل رہے ہیں چشمے تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں
جو برس گئے ہیں جھالے تو ہرا بھرا ہے میداں
ہے زمیں کا سبز داماں

کہیں قمریوں کی کوکو کہیں مور کی صدائیں

کہیں پھر رہے ہیں آہو کہیں چر رہی ہیں گائیں
کبھی اُٹھتی ہیں گھٹائیں

کہیں بگلوں کی قطاریں ہیں ہوا میں اونچی اونچی
کہیں مینھ کی پھواریں لبِ جو ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہہ رہی ہے کشتی

جو چٹک رہی ہیں کلیاں تو لہک رہا ہے سبزہ
جو ہوا ہے عنبر افشاں تو مہک رہا ہے صحرا
کہ یہ رُت ہے روح افزا

یہ جلا وطن مسافر جو میانِ دشت و صحرا
ہوئے گوشہ گیر آکر کہ چڑھے ہوئے ہیں دریا
یہ ہیں رام اور سیتا

شاکرؔ

۲۰۔ جھولا

تجھ سے اے جھولے ادائے دلکشی ہے آشکار تیرے ہی باعث فزوں تر ہے گلستاں کی بہار

جلد دوم

آ گئی برسات ساون کا مہینہ ہے شروع — تجھ کو پڑنا چاہیئے شاخِ شجر میں پائدار
تیری ہی خاطر تو سب آئے ہیں جھولے باغ میں — جھولنے کو ہیں حسینانِ جہاں اُمیدوار
سب فراہم ہو لیا ساماں مگر اب ہے تلاش — ہو بڑا سا پیڑ کوئی شاخ کوئی استوار

منتظر ہیں سب "پڑے" تو پہلے میں ہی بیٹھ جاؤں
جانبِ شاخِ شجر ہے آنکھ اور دل بے قرار

دوڑ کر وہ ایک جا بیٹھی غضب کی شوخ ہے — سب تو منہ تکتے رہے اور یہ ہے جھولے پر سوار
وہ زمیں پر ٹیک کے تلوے بڑھایا اس نے پینگ — وہ خوش آوازی ہے گانے والی ہے کوئی ملہار
پاؤں ٹہنی سے لگانا لازمی ہے پینگ میں — شرط یہ سب جھولنے والوں میں ہے پائی قرار
جان کو دیتی ہے راحت دل کو دیتی ہے سرور — پینگ کے ہمراہ چلتی ہے ہوا جو بار بار

لطف جھولے کا غرض برسات میں آتا ہے خوب
پیاں پیاں پڑ رہی ہے آج کل ہر سو پھوار

محوی

۲۱- اومس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمر بند دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھوکنے لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال کچھ روح کو بے تابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ادھر تو ہوا بند ادھر پسو و مچھر پانی کوئی پیوے تو ادہن سی بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

جلد دوم

جس وقت ہوا بند ہو اور آ کے گھٹا چھائے — پھر کہیے دل اس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینہ جو نہ اوڑھو تو غضب آئے — پسو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی — تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اومس کی چڑھائی — تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دلخواہ — مینہ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ — اومس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

نظیر اکبرآبادی

جلد دوم

۲۲- شہر کی برسات

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا اٹھ کے ہے ان کو مینہ میں آن چھت چھانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا باقی تھا اک اسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے مفلس سو جھونپڑے میں دل شاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا — اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُٹھانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں نون تیل لانا — ہر سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں — ہے اُن کے سر پہ چھتری - ہاتھی پہ آ چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں — ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی — مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی — جوتی پھنسی تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں — کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر کر کتنے اکس رہے ہیں — وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر اکبرآبادی

۲۳۔ خشک سالی

نہ آئی پر نہ آئی پر نہ آئی
گھٹا نے بول دی بالکل صفائی

اگر آئی تو کی لے دے ہوا نے
سواری اور جانب کو بڑھائی

گئے دریا اتر تالاب سوکھے
کنجائی ابر دریا دل کنجائی

نہ صحرا میں دل آویزی کا انداز
نہ بستاں میں ادائے دل کشائی

نہ صحنِ باغ میں طوطی کا نغمہ
نہ شاخِ گل پہ بلبل چہچہائی

زمیں چٹیل ہے کورا آسماں ہے
ہوئی اب کی برس اچھی صفائی

نہ روئے مل کے ساون اور بھادوں
ہوئی ہے ترک باہم آشنائی

نہ تانا شامیانہ ابر تو نے
نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی

نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری
نہ وہ کالی گھٹا گھنگور چھائی

نہ پرنالے چلے اب کے دھڑا دھڑ
نہ گزری کی سڑک رَو نے بہائی

نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے
نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی

نہ وہ برسات کے کیڑے پتنگے
نہ مینڈک نے زمیں سر پر اٹھائی

کہاں ہاں دل کہاں بجلی کہاں مینھ
پریشانی سی ہے دنیا پہ چھائی

نہ اے بھادوں بھرن برسائی تونے نہ اے ساون جھڑی تونے لگائی
نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا نہ کوئل ہی نے دھوم اب کے مچائی
نہ رنگا رنگ بادل آسماں پر نہ چھت پر گھاس دیواروں پہ کائی
نہ کیچڑ ہی نہ پانی ہے نہ سبزہ نہ مینھ برسا نہ کھیتی لہلہائی
ترستے ہیں برستا ہی نہیں مینھ سسکتی ہے پڑی ساری خدائی
ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل گئی گزری کسانوں کی کمائی
نہیں بیچارے حیوانوں کو چارہ ہے انسانوں کو فکرِ بے نوائی
بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی

خدایا رحم کر جاں لب پہ آئی
تری مخلوق دیتی ہے دہائی

اسمٰعیل

۲۴۔ جاڑا اور گھر

دفعۃً پیرِ سحر سانس ہے ایسا بھرتا یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہے ایسا کرتا
کہ جہاں آنکھوں میں ہو جاتا ہے یکبار سفید دشتِ کہسار سے تا در و دیوار سفید

جلد دوم

ابر کی طرح بخارات کا گھر کر آنا برف کے پردہ میں وہ روئی دھنکتے جانا
ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے ہیں جالے اڑتے
اور ہوا میں کبھی ردی کے ہیں گالے اڑتے

آزاد

۲۵- آمدِ بہار

غنچے نے تاجِ گل سے کیا پیرہن درست شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست
پیغام رستخیز ہے آمد بہار کی مر کر ہوئی ہے نرگس بیمار تندرست
گل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے
کر باغباں نشیب و فراز چمن درست

نسیم

۲۶- موسمِ بہار

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمر دار ہر ایک دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزّ وجل
واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ آ بجو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی — پوششِ چھینٹ قلمکار بہر دشت و جبل
عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے — کارِ نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اوّل
سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر — ساغرِ لعل میں جوں کیجئے زمرّد کو حل
بار سے آبِ رواں عکس ہجومِ گل کے — لوٹے ہے سبزہ پہ از بس کہ ہوا ہے بے کل
آب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے — خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول
چشمِ نرگس کی بصارت پہ زبس تھی در تہ — غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے مکحل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

سودا

۲۷- جلوسِ بہار

بگھیاں نور کی تیار کرائے بوئے سمن — کہ ہوا کھانے کو نکلینگے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور — گورے کالے سبھی بیٹھینگے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر — کر ہی ناز پہ جلوہ کی دکھاویگا پھبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر — غنچۂ گل سبھی واں کھولینگے بوتل کے دہن

سپتے ہل ہل کے بجا دینگے فرنگی طنبور
لالہ لا دیگا سلامی کو بنا کر پلٹن

اپنی سنگین چمکتی ہوئی دکھلا دینگے
آپڑیگی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن

نے نوازی کے لیے کھول کر اپنی منقار
آکے دکھلا دیگی بلبل بھی جو ہی اس کا فن

آئیگا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب
یاسمن پتّوں کی پہنیں میں پہ چلیگی بن ٹھن

نکہت آ دیگی نکل کھول کلی کا کمرہ
ساتھ ہو لیگی نزاکت بھی جو ہی اسکی بہن

حوض صندوق فرنگی سے مُشابہ ہوگا
اس میں ہوئینگے پری زاد بھی سب عکس فگن

(انشا)

۲۸۔ آفتِ خزاں

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
کانٹے کا ان میں نام نہیں پھول درکنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہی بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

نظیر اکبرآبادی

۲۹- گرمی کا موسم

آج کل کچھ گرم ایسا ہو گیا ہے آفتاب
آ رہا ہے یاد لوگوں کو قیامت کا عذاب
جس کو دیکھو اپنے بستر پر پڑا ہے بیقرار
بے لبی میں لے رہا ہے کروٹیں مایب وار
ہے کسی مضطر کے سر پر تولیہ بھیگا ہوا
دے رہا ہے کوئی مُنھ پر اپنے چھینٹا آب کا
ہے کسی تفتہ جگر کو ٹھنڈے پانی کی تلاش
برف کی ڈلے رکھے ہوئے ہے کوئی منھ میں اپنے قاش
آگ کی مانند پنکھے سے نکلتی ہے ہوا
بادکش کو شعلہ کش گرمی نے بالکل کر دیا
راستے میں دھوپ کے جو پڑ گیا پامال ہے
تابِ دوزخ سے مشابہ ہے یہ لو کا حال ہے
لو کے معمولی تھپیڑے میں نکل جاتا ہے دم
ایسی حالت میں کوئی باہر نکالے کیا قدم

حارث

جلد دوم

ہو گئی ہے جان کو ہر وقت کی آندھی عذاب — گرد کے مارے نظر آتا ہے سارا گھر خراب
آسماں پر یا الٰہی آگ کیسی لگ گئی — ہوتی رہتی ہے جو یوں بھل کی بارش ہر گھڑی
شدتِ گرمی سے سونا ہو گیا قطعاً حرام — دیکھیے ہوتا ہے کب تک اس بلا کا اختتام
کیا کہیں کس بے قراری سے بسر ہوتی ہے رات — لو کی آفت سے نہیں اس وقت بھی ملتی نجات
ہو نہیں سکتا ہے اس آفت میں ادنیٰ کاروبار — موسمِ باراں کا بیحد ہو رہا ہے انتظار

دیکھیں ہادی کب بدلتا ہے فلک کا انتظام
دیکھیں کب لاتی ہے بارش زندگانی کا پیام

هادي

۳۰- گرمی کا موسم

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
جلد دوم

آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

انیسؔ

۳۱۔ سیرِ کشمیر

سبزہ و نسرین و گُل کی سرزمیں کہئے اسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہئے اسے

فی المثل تختہ زمرّد کا ہے وادی سبزہ زار
سایہ افگن اس طرح ہیں ہر طرف سرو و چنار

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتی ہیں نظر
زیرِ بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار

تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار

چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی
جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اوڑھے برف کا ہار

ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گی پار

روز روشن میں جب ان کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اس کے پھر کوئی دیکھے بہار

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں — تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے — ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں بہرِ مکیں
ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے — پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی — ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں
یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی — طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں
طرفہ سناٹا ہے اس سنسان کوہستان پر — جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

حالیؔ

۳۲ - دیرہ دون کی سیر

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون — عجیب خطۂ دلکش ہے شہر دیرہ دون
تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی — جدھر نگاہ اٹھے اُس طرف ہے ہریالی

گھنے درخت ہری جھاڑیاں زمیں شاداب — لطیف سبزہ ہوا پاک صاف چشمۂ آب
طلسمِ حسن کا ہے بیچ میں یہ گلدستہ — کھڑے ہیں کوہ شجر پہلوؤں میں صف بستہ

یہاں جو آکے مسافر قیام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

جو دُور جائیے بستی سے اور ہی ہے سماں — یہ سوچتا ہے پہاڑوں کو دیکھ کر انساں
بشر پہ رعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا — یہ بل زمین کی تیوری پہ آگیا کیسا
بس ایک عالمِ ہو چار سمت طاری ہے — نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے
فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے — بشر کی روح کو راحت کی نیند آتی ہے
اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دلگیر — شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر
یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں — یہ صرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں
وہی سنے گا اسے دل گداز ہے جس کا — ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہو جس کا

یہ راگ مجھ میں سمایا سرورِ مے ہو کر
ہوس یہ تھی کہ روح کو مل جائے اس میں لے ہو کر

چکبست

جلد دوم

۳۴۔ شیلانگ اور کلکتہ

رخصت اے شیلانگ اے رشکِ گلستانِ ارم
کر چکے تیری فضائے جاں فزا کی سیر ہم
اب کہاں دیکھیں گے تیرے آبشاروں کی بہار
کر سکیں گے اب نظارے کب ترے چشموں کے ہم
ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوائیں اب کہاں ہونگی نصیب
اب کہاں ہوگی میسّر یہ نسیمِ صُبح دم
اب کہاں گرمی کے موسم میں یہ سردی کی ہوا
لوٹ کر آجائے جس سے جسم میں مردہ کے جاں
اب کہاں مُرغانِ خوش الحاں کے دلکش چہچہے
جن کو سنکر دل سے ہوجاتے تھے سب ترّاں الم
اب نظر ہر دم نہ آئے گی یہ رُت برسات کی
اب نہ دیکھیں گے برستا رات دن ابرِ کرم

گو جدا شیلانگ سے ہم ہو رہے ہیں لے نشاط

چھوڑے جاتے ہیں مگر دل کو یہیں بے اختیار

مرتے دم تک دل سے یہ باتیں نہ جائینگی کبھی

ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

تجھ سے رخصت ہو کے اے شیلانگ جاتے ہیں جہاں

شہر ہے بے مثل اس میں ہے نہیں کچھ اینڈ واں

لیکن ان کی نظروں میں جچتا ہے کوئی اور کب

کھپ گیا ہو جن کی آنکھوں میں فقط تیرا سماں

گو فلک سے ٹکریں کھاتے ہیں اس کے قصر و بام

جو نیچروں کو تیری پاسکتے ہیں وہ لیکن کہاں

نعمتیں دنیا کی گو اس میں مہیا ہیں تمام

لیکن آئیں گی کہاں یہ قدرتی دلچسپیاں

گو وہاں ہیں ڈھیر میووں کے کہاں لیکن یہ بات

لطف دیتی ہیں جو پیڑوں پہ تری نارنگیاں

گرد گرمی میں وہاں برسات میں کیچڑ کا زور
رستہ چلنا بھی تو ہو جاتا ہے راہ ہفتخوان
دھوپ ایسی تیز پڑتی ہے کہ کالے ہوں ہرن
رہتی ہیں جاری پسینہ کے بدن سے ندّیاں
اس غضب کی پیاس لگتی ہے کہ بجھتی ہی نہیں
چاہیے پانی کا بنالے پیٹ میں کوئی کنواں
ہیضے صاحب کا بھی ہوتا ہے وہاں اکثر نزول
نذر جن کی سیکڑوں ہو جاتے ہیں پیر و جواں
اتفاقاً آنکلتے ہیں کبھی مسٹر پلیگ
جن کی صورت دیکھ کر اُٹھتا ہے شورِ الاماں
اُٹھتے رہتے ہیں ہمیشہ فتنہ و شرّ و فساد
آتی ہی رہتی ہے ہر دم اک بلائے ناگہاں
اس قدر قانون کی پابندیوں کا ہے خیال
پانوں میں انسان کے پڑتی ہیں گویا بیڑیاں

راتیں تھوڑی اگر ہم کو میسر ہو ہی جائیں
پائیں گے شیلانگ تیری سی کہاں آزادیاں
گو یہ تکلیفیں ہیں کلکتہ کی سب پیشِ نظر
ہیں مگر مجبور کر سکتے نہیں کچھ این و آں
وقتِ رخصت گو نہیں اُٹھتے اُٹھائے سے قدم
ہو رہے ہیں پیٹ کی خاطر یہاں سے ہم رواں
گو جدا ہوتا ہی تجھ سے زندگی بھر کو نشاط
نام تیرا ہی رہے گا عمر بھر وردِ زباں
مرتے دم تک دل سے جائیں گی نہ یہ باتیں کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

نشاط

۴۳۔ دھان کے کھیت

اے تختۂ دلکش تری رنگت یہ ہری ہے
یا قاف کے پردہ میں کوئی سبز پری ہے
مخمل کا کوئی فرش مکلف یہ بچھا ہے
یا قدرتِ صانع کی انوکھی سبزی ہے

جلد دوم دیکھے ہیں چمن بیسیوں گلزار ہزاروں
پر تازگی ایسی نہ یہ خوبی نہ تری ہے

آجاتی ہے جس وقت نسیم صحت افزا
جنبش وہ تری درخورِ غائر نظری ہے

کیا شان ٹپکتی ہے ترے حسن سے اس دم
کیا لہر سے پیدا تری آب خضری ہے

نزہت ہے تری تازگیِ چشم تمنّا
گودی تری گلہائے مقاصد سے بھری ہے

کہنے کے لیئے دھان کی کھیتی ہے ترا نام
خرمن میں نہاں تیرے صد آسودہ گری ہے

خشکی ہے تری قہرِ الٰہی کی علامت
افلاس ہے ادبار ہے دریوزہ گری ہے

شہاب الدین خاں صاحب

۳۵- پہاڑی ندی کا گیت

ندّی ہوں یا نالا ہوں میں
آفت کا پرکالا ہوں میں

نکلی ہوں کہسار کے لب سے
مجھ میں ہیں انداز غضب کے

کچھ تو بلندی پست ہوئی ہے
آبادی کچھ دشت ہوئی ہے

زور پہ اپنے جو اتر آئے
ہاں وہ میری زد پہ آئے

مدّت سے میں خشک پڑی تھی ریت کے نیچے چپکی لیٹی
پھر موسم برسات کا آیا دَل بادل کہسار پہ چھایا
ہاں وہ ٹپ ٹپ بوندیں آئیں خوش خبری سیلاب کی لائیں

اے اپنی تقدیر کے صدقے
اب تو موسلا دھار ہی برسے

کوئی ہی جو سامنے آئے مجھ سے آکر ہاتھ ملائے
کشتی مجھ پہ چل کے دیکھے سینہ میرا دَل کے دیکھے
گرچہ میں اِک قہرِ خدا ہوں آفت ہوں سیلابِ فنا ہوں

مجھ سے ہی سیرابی ساری
ہر سو میرا فیض ہے جاری

محمد شہاب الدین

۳۶۔ لبِ آبجو

یہ فروغِ مہرِ تاباں کہ چمک رہی ہیں کرنیں
لبِ آب ہیں یہ ساماں کہ تڑپ رہی ہیں موجیں

جلد دوم

ہے نظر کو اک حیرت

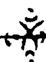
لب جو یہ سبزۂ و گل کہ ہے دلفریب منظر
یہ مہک رہی ہی سنبل کہ دماغ ہے معطّر
چلی آ رہی ہے نگہت

کہیں پھول ہیں کنول کے کہیں نیلگوں ہی پانی
یہ ہوا کے سرد جھونکے یہ حباب کی روانی
کسی مست کی صورت

یہ ہوائے روح پرور کہ درخت ہل رہے ہیں
یہ کنارِ آب منظر کہ شگوفے کھل رہے ہیں
کہ ہی دل کو جس سے فرحت

کہیں شاخوں پر ہیں طائر کہیں ان کے آشیانے
یہ نسیم کیف آور یہ طیور کے ترانے
ہیں پیامِ خوابِ راحت

سفیر



جلد دوم

۳۷۔ کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا

کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا
غنچۂ و گُل پہ نغمہ زن ہوتا

عارضِ گل کو چومتا پھرتا
صحنِ گلشن میں جھومتا پھرتا

دیکھتا میں ادائیں پھولوں کی
خوب لیتا بلائیں پھولوں کی

خندۂ گل پہ لوٹ جاتا میں
آپ میں مشکلوں سے آتا میں

صحبتِ گل میں رات بھر رہتا
مست نکہت میں تا سحر رہتا

شام سے صُبح صُبح سے تا شام
دیدِ گُل کے سوا نہ ہوتا کام

شاہدِ گُل کی بزم آرائی
اور وہ میری نغمہ پیرائی

لحن دلکش میں یہ غزل گاتا
گل کی نظروں میں بس سما جاتا

اے گل اے مایۂ وقارِ چمن
طرّۂ فرقِ افتخارِ چمن

ختم ہے تجھ پہ صنعتِ صانع
بے بدل ہی تو اے نگارِ چمن

خوبرو کون سا ہی تیرے سوا
نازپروردِ کنارِ چمن

شانِ شاہی خدا نے بخشی ہی
بے گماں ہی تو تاجدارِ چمن

مخملی تیرا فرش پا انداز
جس کو کہتے ہیں سبزہ زارِ چمن
پنکھا جھلتی ہے آکے بادِ نسیم
پاؤں دھوتی ہے جوئبارِ چمن
ہے ترا چاکرِ درِ دولت
سروِ آزاد پاسدارِ چمن

محروم

۳۸۔ بہارِ چمن

آسماں پر بھی شفق چھائی ہوئی
ہو گیا تھا وقت بالکل شام کا
ہر طرف تھا قدرتِ حق کا ظہور
ہر طرف تھا ڈھیر پھولوں کا لگا
تھا کسی گوشہ میں اُودی کا زور
تھا کہیں گملوں میں دربینا کھلا
اک طرف تھی لشرلیشم کی بہار
ایک جانب دیدۂ نرگس تھا وا
جس قدر دُنیا میں ہو سکتے ہیں رنگ
فصلِ گل نے کر دیا تھا ایک جا
دیکھ کر قدرت کی یہ رنگینیاں
دل میں ہر چڑیا کے تھا اِک ولولا
چہلیں کرتی پھر رہی تھیں ہر طرف
ایک جا چپ بیٹھنا دشوار تھا
کہہ رہی تھیں قمریاں حق سرّہٗ
پی کہاں کی تھی پپیہوں میں صدا

نالۂ دلدوزِ کوئل کا کہیں | سُن کے تھا بیتاب قلبِ مبتلا
گُل پہ صدقے ہو رہی تھیں بُلبلیں | اٹھ رہا تھا کامرانی کا مزا
بے قرارِ آرزو ہو کر کہیں | گا رہی تھی طوطیٔ شیریں نوا
پھر رہے تھے مست بھونرے ہر طرف | آ رہی تھی بھنبھناہٹ کی صدا
پھولوں کو گھیرے ہوئے ہر سمت سے | تیلیوں کا خوب صورت جھنڈ تھا

دیکھکر قدرت کی یہ صناعیاں
بحرِ حیرت میں تھا میں ڈوبا ہوا

ناگہاں دیکھا کہ تھوڑی دور پر | ایک ٹکڑا لان کا تھا خوشنما
اُس کی سبزی کی میں حالت کیا کہوں | فرشِ مخمل کو بھی اس پر رشک تھا
ایک کرسی پر درختوں کے قریب | ق ایک بت خورشید و شیریں ادا
جلوہ آرا تھی عجب انداز سے | اللہ اللہ حسن کا کیا رعب تھا
جسم پر ساری تھی دھانی رنگ کی | ریشمی فیتہ تھا گرد اس کے ٹکا
سادگی میں اس کے تھے لاکھوں بناؤ | کوئی زیور جسم پر بھاری نہ تھا
ناک میں تھی خوشنما ہلکی سی کیل | کان میں تھا صرف اک ہیرا جڑا
تھیں کلائی میں سنہری چوڑیاں | موتیوں کا اک گلے میں ہار تھا

رنگ رخساروں کا اس کی کیا کہوں تھا صباحت میں ملاحت کا مزا
بائیں رُخ پر اس کے اک چھوٹا سا تل کر رہا تھا کام بالکل سحر کا
سو تواں تھی ناک پتلے پتلے ہونٹ تھی لڑی موتی کی دانتوں پر فدا
گا رہی تھی کچھ دبی آواز میں جس کی لے میں تھا عجب جادو بھرا
دیکھکر ہادی یہ حسن و سادگی
شوق کا میرے عجب عالم ہوا

ہادی

۳۹- پھولوں کی بہار

دے رہی ہے لطف گُل مہندی کی ہر جانب قطار
اس کی ہر ہر شاخ پر ہیں پھول بے حد بے شمار
سُرخ ہے کوئی، گلابی ہے کوئی، نیلا کوئی
چھوٹی چھوٹی چتیاں ہیں بعض پھولوں پر پڑی
ایک جانب پھول گیندے کے کھلے ہیں زرد زرد
جن کے آگے رنگ سونے کا بھی ہو جاتا ہے گرد

اِس کی خوشبو سے معطّر دامنِ گلزار ہی
پھول یہ چنپا کا ہی یا طبلہ عطار ہے
دیکھ کر بشاش ہو جاتا ہے قلبِ پُر محن
پھول گُڑہل کا ہی یا آویزۂ گوشِ چمن
محوِ حیرت ہی لطافت دیکھکر رنگِ گلاب
یہ وہ گُل ہی جس کا مل سکتا نہیں ہرگز جواب
حسن میں ڈوبی ہوئی ہی اس کی ہر ہر پنکھڑی
اِس کی خوشبو ہے مشامِ آرزو کی زندگی
صُبح کو اس کے لیے کیا کیا ترستی ہی نسیم
کیا قیامت ہے گلِ مشبّو کی جاں پرور شمیم
یا الٰہی ان میں یہ باتیں کہاں سے آگئیں
دیکھ کر حیران رہ جاتی ہی چشمِ نکتہ بیں

هادي

۴۰- گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول
کہاں چمن میں ہے اس کے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب مآب کا پھول
بجا ہے اس کو کہیں ہم اگر شباب کا پھول

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

خدا نے دی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت
عیاں ہے جس سے ہر اک اس کا جلوہ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ نئی نکہت
کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے
اسی کا گلشنِ عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سوتی کھی ہے لالہ ہے
مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیمِ بہار بلائیں لیتی ہے منھ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہرِ شہوار دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بھو بھینی بھینی بھاتی ہے اسی نسیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی یہی دلکش فضا دکھاتی ہے طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

نسیمل

۴۱۔ گلاب کا پھول

ہے عجب دلربا گلاب کا پھول ہے عجب خوشنما گلاب کا پھول
سارے پھولوں کا ہے یہی سرتاج صحنِ گلشن میں ہے اسی کا راج
غور کرنے پہ ہم اگر آئیں سینکڑوں قسمیں اس کی گنوائیں
مختصر ہے کوئی کوئی ہے بڑا ایک کا رنگ دوسرے سے جدا

جلد دوم

سرخ کوئی کوئی گلابی ہے ہلکا ہلکا سا کوئی آبی ہے

ہی کسی گل کا زرد زرد لباس شربتی جامہ ہی کسی کے پاس

اس کے رنگوں میں جو لطافت ہے اس سی ظاہر خدا کی قدرت ہی

ہی عجب بات اس کی صورت میں دیکھکر جس کو دل ہی حیرت میں

بلبلیں اس کو پیار کرتی ہیں اس کی ہر ہر ادا پہ مرتی ہیں

ناز کرتی ہی اس پہ فصل بہار اس کی خوشبو سے مست ہے گلزار

اس کی ممنون ہی نسیم بہار ہی چمن کا اسی کے دم سے وقار

اس کی پیاری ادا پہ مرتے ہیں اس کا بھونرے طواف کرتے ہیں

اس کے جوہر ہیں کیا لطافت ہی عطر اس کا غضب ہی آفت ہی

پر اثر اس کی ذات سے ہی دوا اس میں پنہاں ہے ہر طرح کی شفا

الغرض کچھ عجیب چیز ہے یہ سب کو ہاتھ ادی بہت عزیز ہے یہ

سب دواؤں پہ اس کی مرتے ہیں اس کی سب دل سے قدر کرتے ہیں

ہی دعا اس کے حق میں اے مولا اس کو چھیڑے کبھی نہ باد فنا

اس کا کوئی نہ ہو جہاں میں رقیب
دست گلچیں نہ آئے اس کے قریب

(سہا)

۴۲- بیلا

کس قدر دلفریب ہے بیلا		خوشنما دل پذیر البیلا
ہی بھرا اس کی ذات سے گلزار		دیدنی شام کو ہی اس کی بہار
اس کا پودا فلک سے برتر ہی		اس کا ہر پھول رشکِ اختر ہی
شوق سے اس کو توڑ لاتی ہیں		لوگ ہمدم اسے بتاتے ہیں
حسن افزائے مہ جبیناں ہے		رونقِ محفلِ حسیناں ہے
اس سے پاتے ہیں تقویت ارماں		بزمِ عشرت کی ہی یہ روحِ رواں
بوئے خوش اس کی دل کو بھاتی ہے		تازگی اس سے روح پاتی ہی

اس کا رنگِ صبیح آفت ہی
اس کی صورت خدا کی قدرت ہی

ھادی

۴۳- جوہی

پیاری جوہی تجھے خدا کی قسم		تجھ میں ہی کس کے حسن کا عالم

تجھ میں کس شوخ کی صباحت ہے، کس کی زلفوں کی تجھ میں نکہت ہے،
تازگی تو نے کس کی پائی ہے تو یہ صورت کہاں سے لائی ہے
باغ آباد ہی ترے دم سے تیری خوبی جدا ہی عالم سے
باغ سے تجھ کو توڑ لاتے ہیں لوگ سر پر تجھے بٹھاتے ہیں
ناز بردار ہیں حسین تیرے خود طلبگار ہیں حسین تیرے
جب تجھے آنکھوں سے لگاتے ہیں تمکنت ساری بھول جاتے ہیں

گو سمجھتے ہیں ہم رقیب ہے تو
پھر بھی دلکش ہی خوش نصیب ہے تو

هادي

۴۴۔ کنول کا پھول

تو وہ چراغ ہی جس کو فروغ آب میں ہی غضب کا قہر تری چشم نیمخواب ہی
عجب بہار ترے حسنِ لاجواب میں ہی نہ یاسمن میں نزاکت نہ یہ گلاب میں ہی

ہر ایک پھول سے انداز ہی جدا تیرا
کہ دل نشیں ہی عجب کنجِ پُر فضا تیرا

لبِ نسیمِ سحر پر ہے گفتگو تیری کشاں کشاں لیے پھرتی ہے جستجو تیری
ہزار دل سے ہے بھونرے کو آرزو تیری کہ مست رکھتی ہے صہبائے خوش گلو تیری

فضائے آب میں سرمست جام ہے تیرا
شہیدِ لذّتِ شربِ مدام ہے تیرا

ترے چراغ پہ پروانہ وار گرتا ہے وفورِ شوق سے بے اختیار گرتا ہے
بلائیں لیتا ہے ہو کر نثار گرتا ہے قریب آ کے ترے بار بار گرتا ہے

یہ بیخودی یہ پروں کی تپش یہ سرعتِ شوق
ذرا سے کیڑے میں ہے کس بلا کی وسعتِ شوق

یہ دھیمی دھیمی فغاں اور یہ ناشکیبائی یہ جوششِ ردِ محبت یہ نالہ فرسائی
یہ آستاں پہ ترے شوق ناصیہ سائی یہ تیرے کنج میں دن بھر نسیم پیمائی

سوادِ شب میں بھی دُھن ہے ترے شبستاں کی
مگر تلاش کسی کی ہے حسنِ پنہاں کی

شاکر

جلد دوم

۴۵- انبہ

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر کہ دوا خانۂ ازل ہے مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ راحت سے ق باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بحکمِ رب الناس بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

جلد دوم

۴۶- انبہ

شاہ نے دیں آم بھری کشتیاں | بحرِ عطا کیا ہی ہوا موجزن
کشتیوں میں آم ہیں جو رنگ رنگ | داغ کا گھر آج ہی رشکِ چمن
سرخ میں ہی لالہ رُخوں کی بہار | سبز میں ہی سبز خطوں کی پھبن
زرد میں ہی رنگِ گلِ زعفران | کیسری پوشوں کی ہی اک انجمن
ایسے کہاں پریوں کے پر سبز سبز | ایسے کہاں حوروں کے سیبِ ذقن
سونگھ کے ہو جائے معطّر دماغ | مُنھ پہ مگر ان کے ہی مشکِ ختن
گر کبھی ان آموں کا رس چوس لیں | ہونٹ ہی چاٹا کریں شیریں دہن
انبۂ شیریں جو اسے ہو نصیب | نام بھی شیریں کا نہ لے کوہکن
سیکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں | پھر ہی یہ افراط کہ لاکھوں ہی من
واقعی ان آموں کی تعریف میں | کم ہیں جہاں تک کہیں اہلِ سخن

مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند
انبتہ اللہ نباتاً حسن

داغ

۴۷- انب

کیوں نہ درختوں پہ ہو وہ سربلند
اِس کا ہی پھل شاہ و گدا کو پسند

ہند کے سب میووں کا سردار ہے
رونقِ ہر کوچہ و بازار ہے

جو صفہانی اسے اِک بار کھائے
میوے صفاہاں کے سبھی بھول جائے

اور مٹھائی جو کبھو اک ذری
کھائیے اک بار تو بھر جائے جی

آم میں ہے ایک حلاوت عجب
رہتی ہے اس کی تو ہمیشہ طلب

پیٹ بھرے جی نہ پر اس سے بھرے
آدمی پھر کھائے نہ تو کیا کرے

ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا
لیکن ہے ٹپکے کا بھی طرفہ مزا

میووں میں ہے فوقیت اِس کے تئیں
باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالانشیں

شوخ یہ سیندوریے کا رنگ ہے
سیب سمرقند بھی یاں دنگ ہے

میووں میں ہے بس وہی ہر دلعزیز
سیب غلام اُس کا بِہی ہے کنیز

ع!

۴۰- جونپوری خربزہ

سردے کابل کے کھا کے دیکھے | چتلے بھی لکھنؤ کے چکھے
پر دونوں یہ جونپور کے پھل | ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل
کھائے اک قاش تو ہوں لب بند | پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند
بھینی بھینی وہ میٹھی خوشبو | ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو
مرکز ہے بشیر پور مشہور | ہے شہر سے یہ مقام کچھ دور
اس کاشت کو ہے زمیں یہ اکسیر | یا آب و ہوا کی کہئے تاثیر
اس کھیت کا ہے عجیب پانی | جذب اس میں ہے آبِ زندگانی
کھیت اور بھی یوں تو جا بجا ہیں | شکل ایک مگر مزے جدا ہیں
صورت کو نہ دیکھئے پھلوں کی | سیرت کی ملاحظہ ہو خوبی
صورت تو نہیں ہے خوبصورت | سیرت کی فقط ہے قدر و قیمت

جو لطف مزے ہیں کہئے کس سے
چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

۴۹- ہاتھی

اِس کی گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک — کہکشاں جوں شبِ یلدا میں نمایاں تہِ فلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ اُٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ — عرشِ رفعت میں ہے چلنے میں ہے جوں چرخ اتھک
شجرِ طور کا چہرے پہ ہو اس کے جلوہ — رنگیں تر ہیں کے لیے جس گھڑی اُس کا مستک
جھول پر اس کی ستاروں کا کہوں میں کیا حسن — تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چھٹک
لے کے خرطوم میں زنجیر پھراوے وہ اگر — اِس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک
لیلیٰ نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمے سے — ملنے کو مجنوں سے سُن سلسلۂ پا کی جھنک
روزِ میداں اُسے دیکھو تو دلاور اتنا — سر کے وہ اُس سے نہ جہاں سی کہ زمیں جائے سرک
چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جسے خاطر میں — بان بجلی کی کڑک کا کبھی پہنچے اُس تک
چاہے وہ توڑ کے جوں نیشکر اُس کی جڑ کو — پاؤں کھجلانے لگے سونڈ میں لیکر بولک
بے تکان اس قدر اس کا ہے چلاؤ جیسے — مہر میں ابر کے سایہ سے ہو سایہ کی ڈھلک

اِس قدر ہے وہ سُبک رو کہ کبھی چلتے وقت
پاؤں کی اس کی دلِ مور کو پہنچے نہ دھمک

سوداؔ

۵۰۔ اونٹ

اونٹ تو ہی بس حلیم و خوش خصال — تربیت میں چھوٹے بچّوں کی مثال
تیری پیدائش رفاہِ عام ہے — آدمی کے حق میں اک انعام ہے
لق و دق صحرا میں یا میدان میں — یا عرب کے گرم ریگستان میں
سایہ افگن ہی نہ واں کوئی چٹان — سرد پانی کا نہ دریا کا نشان
چلچلاتی دھوپ ہے اور چپ ہوا — واں پرندہ بھی نہیں پر مارتا
تو وہاں کے مرحلے کرتا ہے طے — دن بدن اور ہفتہ ہفتہ پے بہ پے
قیمتی اشیاء ہیں تیری پشت پر — تاجروں کا ریشم اور شاہوں کا زر
تودہ تودہ تیرے اوپر لد رہا — ہے بھرا گویا جہازِ پُر بہا
چند ہفتے جب کہ جاتے ہیں گزر — اور تھکا دیتا ہے راکب کو سفر
اونٹ گھبراتا نہیں تو بار سے — دیکھتا ہے اِس کی جانب پیار سے
گویا کہتا ہے کہ اے میرے سوار — ایک دن تو اور بھی ہمّت نہ ہار
ہاں نہ ہو بے دل نہ رستہ میں ٹھٹک — صاف سرچشمہ ہی آگے دھر لپک
مجھ کو آتی ہے ہولے بوئے آب — نا اُمیدی سے نہ کر تو اضطراب

اونٹ تو کرتا ہے اس کی رہبری یوں بنا دیتا ہے راکب کو جری
آخرش منزل پہ پہنچاتا ہے تو اور سوکھے خار و خس کھاتا ہے تو
صبر سے کرتا ہے طے راہِ دراز سچ کہا ہے تو ہے خشکی کا جہاز
الغرض تو ہے حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

اسمٰعیل

۵۱- گھوڑا

نازک مزاج نسترن اندام تیز رو گردوں مسیر باد یہ پیما و برق دو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو دو روز سے نہ کاہ ملی تھی لسے نہ جو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سُرعت میں کچھ کمی نہ تھی چھل بل میں فرق تھا
سمٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا چمکا، پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا برہم کیا صفوں کو پرے سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

وہ جست و خیز و سُرعت و چالاکی سمند | سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند | نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم سربلند

گرد اُس کی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال | کبکِ دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سُبک روی میں قدم کے تلے نہال | اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال

جو آ گیا قدم کے تلے گرد بڑھتا
چھل بل غضب کے تھے کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا | آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا | نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

حیراں تھے اس کی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

انیس

جلد دوم

۵۲۔ گھوڑا

آہو کی آنکھ شیر کی چتون غضب کی چال
وہ بال تھے کہ حور نے بکھرا دیئے تھے بال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال
پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال

اُڑ کر زمیں تلک کبھی گردِ قدم گئی
جب بس کہا چمکتی ہوئی برق تھم گئی

جرأت میں رشکِ شیر تو ہیکل میں پیل تن
پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابرِ قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پیکاں ہیں کنوتیاں ہمہ گام دار و گیر
حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
رڈیں وہ نرم جلد وہ باریک و بے نظیر
چینی پرند جس سے مقابل نہ ہے حریر

ایسی سبک روی نہیں دیکھی شتاب میں
دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کے خواب میں

خوش خو و خوش خرام خوش اندام و خوش لگام
خوش رو و خوش جمال و ادا فہم و تیز گام
جان دار و شوخ چشم و سعید و خجستہ کام
گل پوش تیز ہوش سمن گوش لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

چالاکیاں بھی غیظ بھی غربت بھی جنگ بھی
بالا دوی براق کے دلدل کا ڈھنگ بھی
بر میں اسد بھی بحر وغا میں نہنگ بھی
گھوڑا بھی شیر نر بھی ہرن بھی پلنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے
اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

انیس

۵۳۔ گھوڑا

رہوار رشک پر نسیمِ سحری تھا
ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اُٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اُڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

جلد دوم

غصّے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا اور جوشِ شجاعت میں وہ کف منھ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا

ٹاپوں سے تھلکتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اِس صف میں جو بجلی تھا تو اُس صف میں ہوا تھا

انیس

۵۴- مریل گھوڑا

ہی چرخ جیسے ابلقِ ایّام پر سوار رکھتا نہیں ہو دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہی ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانہ کے ہاتھ سے موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

تنہا دہی نہ دہر سے عالم خراب ہی
خستے اکثروں نے اُٹھایا ہی ننگ و عار

ہینگے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں پاوے فرا جو اُن کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفلِ شیرخوار

جلد دوم

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اب ہیں اس کے کہاں تک کروں شمار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہی اس کا حال
کرتا ہی راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہی مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کی کھونٹی بندھا ہی وہ
گزرے ہی اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہی آسماں کی طرف ہوکے بیقرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہی گھانس کا
چوے کو آنکھ موند کے دیتا ہی وہ پیار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو ٹیکے ہی بار بار

پیدا ہوئی ہی تس پہ اگن باؤ اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان تو زنہار

گزرے وہ جس طرف سی کبھی اُس طرف نسیم
باد سموم ہووے وہی گر کرے گزار

دیکھے ہی جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہی اپنے سم سے کنوئیں تا ہیں مار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اسکے پیٹ میں
دھونکے ہی دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہی یا سرنگ
خارشت سے زبس کہ ہی مجروح بے شمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہی خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اسکو کردگار

ہر زخم پر زبس کے بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس عتبار

لیجاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
ان تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور — آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا — مشہور تھا جنھوں کے وہ اسپِ نابکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس — گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار
فرمایا تب اُنھوں نے کہ اے مہربانِ من — ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ — یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
بدرنگ جیسے لید ہو بدبو ہے جوں پشاب — بدیمن یہ کہ اصطبل اجڑ کرے ہزار
مانندِ میخ چوکی لگد زن ہے تھان پر — لاجنبش وہ زمیں سے ہے جوں میخِ استوار
اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت — جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار

مانندِ اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دستِ غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں — دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سیہ ہے ہوا سفید — تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخِ باردار
پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان — شیخوخیت کے درجہ سے کر اس طرف گزار

میٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں ہوں یاں

جلدِ دوم

دلّی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ — مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار
مدّت سے کوڑیوں کو اڑایا ہی گھر میں بیٹھ — ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین — ہتیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں — دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ — ٹک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھی فگار
آگے سے توبڑہ اسے دکھلاتا تھا سئیس — پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا روبراہ — ہلتا نہ تھا زمیں سے مانند کوہسار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام — اکثر مدبّروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیئے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں — یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار
کہتا تھا مجھ سے کوئی ہوا تجھ سے کیا گناہ — کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک دز
فتنہ کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئی تھی گم — اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے وہاں گزار
ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر — پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
دریائے کشمکش ہوا اس آن موجزن — تھا عنقریب ڈوبئے خفت سے ایک بار

بند دوم

بدبختی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال ‌ ‌ لڑکے بھی واں جمع تھے تماشہ کو بے شمار
رکھتا تھا کوئی لاکے سپاری کو منہ کے پاس ‌ ‌ مو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار
کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا ‌ ‌ دونگا ٹکا تجھے میں تو چڑھا اتوار
کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اس کے گرد و پیش ‌ ‌ ساتھ اس سمندِ خرس نما کے ہو چشم چار
اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر ‌ ‌ کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار
جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب ‌ ‌ کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

یارب دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب
واں سے بہر نمط کیا جنگ گاہ تک گزار

دستِ دعا اٹھا کے میں پہر وقتِ جنگ کے ‌ ‌ کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پکار
پہلے ہی گولا چھوٹتے اس گھوڑے کو لگے ‌ ‌ ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر کے پار
یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعدِ جنگ ‌ ‌ اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار
گھوڑا تھا بس کہ لاغر و سست و ضعیف و خشک ‌ ‌ کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پہ ‌ ‌ دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل ‌ ‌ لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دم دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف ‌ ‌ القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سُنی
اِس پر بھی دل میں آئے تو اب کیجیے سوار
سُن کر یہ اُن سے میں نے یہ قصّہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار
گفتن ہمی بس ست کہ اسپِ من اینست
سمجھو گا دل میں اپنے اگر ہوگا ہوشیار

سودا

۵۵- شیر

اے شیر تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں
شاہی کے حق میں کوئی بھی ساجھی ترا نہیں
پیدا ہے تیرے رُخ سے تری شوکت اور جلال
ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال
دل تیرا بزدلی و غلامی سے ہے بری
پھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری
تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے بچے
جھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری لچے
حق نے عطا کیا ہے تجھے زور بے خلل
فولاد کی رگیں ہیں تو دل ہے ترا اٹل
گر سورما سجے کوئی میدان کا دھنی
جوشن کہ چار آئینہ یا خود آہنی
حملے سے تیرے بچنے کو کافی نہیں مگر
اللہ رے تیرا حوصلہ بل بے ترا جگر

جلد دوم

غرّاکے شیر کرتا ہی جب جوش اور خروش | جنگل تمام ہوتا ہی سنسان اور خموش
پہچانتے ہیں جانور آواز شیر کی | وہ ہولناک ہی کہ دہلتا ہی سب کا جی
جاتی ہی اُن کے پاؤں تلے کی زمیں نکل | ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہی اجل
اے شیر گرم خطّہ ہی تیرے لیئے وطن | بیہڑ ہو نیستان ہو جھاڑی ہو یا ہو بن

اے شیر تو ہی شاہ ترا تخت ہی کچھار
ہی کس کو تیرے ملک میں دعوائے گیر و دار

اسمٰعیل

۵۶- ہماری گائے

رب کا شکر ادا کر بھائی | جس نے ہماری گائے بنائی
اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں | جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں
خاک کو اس نے سبزہ بنایا | سبزہ کو پھر گائے نے کھایا
کل جو گھاس چرِی تھی بَن میں | دُودھ بنی وہ گائے کے تھن میں
سُبحان اللہ دُودھ ہے کیسا | تازہ گرم سفید اور میٹھا
دودھ میں بھیگی روٹی میری | اُس کے کرم نے بخشی سیری

دودھ دہی اور میٹھا مسکا   دے نہ خدا تو کس کے بس کا
گائے کو دی کیا اچھی صورت   خوبی کی ہے گویا مورت
دانہ دُنکا بھوسی چوکر   کھا لیتی ہے سب خوش ہو کر
کھا کر تنکے اور ٹھیڑے   دودھ ہے دیتی شام سویرے
کیا ہی غریب اور کیسی پیاری   صبح ہوئی جنگل کو سدھاری
سبزہ سے میدان ہرا ہے   جھیل میں پانی صاف بھرا ہے
پانی موجیں مار رہا ہے   چرواہا چمکار رہا ہے
پانی پی کر چارہ چر کر   شام کو آئی اپنے گھر پر
دوری میں جو دن ہے کاٹا   بچے کو کس پیار سے چاٹا
گائے ہمارے حق میں ہے نعمت   دودھ ہے دیتی کھا کے بنسپت
بچھڑے اس کے بیل بنائے   جو کھیتی کے کام میں آئے

رب کی حمد و ثنا کر بھائی
جس نے ایسی گائے بنائی

اسمٰعیل



۵۷۔ ہمارا کتّا ٹیپو

ٹیپو ہمارے گھر کا پرانا رفیق ہے بڑھا ہی باوفا ہی نہایت شفیق ہی
ہم دونوں بھائی بہنوں سی اُلفت ہے اسقدر جب دیکھتا ہی دُور سے آتا ہے دوڑ کر
جنگل کو جائیں ڈھور تو جاتا ہے ساتھ سا جب گھر کو واپس آئیں تو آتا ہی ساتھ سا
بے چارہ گھر کی چوکسی کرتا ہی رات بھر
اور دن میں کھیلتا ہی مرے ساتھ ادھر اُدھر

اسمٰعیل

۵۸۔ کتّا اور اُس کا سایہ

مُنھ میں ٹکرا لیئے ہوئے کتّا ایک دریا کو تیر کر اُترا
پانی آئینہ سا رہا تھا چمک نظر آتی تھی تہ کی مٹی تک
اپنی پرچھائیں پر کیا جو غور اُس کو سمجھا کہ ہی یہ کتا اور
مُنھ میں ٹکڑا دبا رہا ہے یہ گہرے پانی میں جا رہا ہی یہ
حرص نے ایسا بے قرار کیا جھٹ سے غرّا کے اُس پہ وار کیا

جونہی ٹکڑے پہ اُس کے مُنہ مارا — اپنا ٹکڑا بھی کھو دیا سارا
واں نہ ٹکڑا نہ اور کتّا تھا — وہم تھا وہم کے سوا کیا تھا
یونہی جتنے ہیں لالچی ناداں — کرکے لالچ اُٹھاتے ہیں نقصاں
باندھتے ہیں کہاں کہاں کے خیال
اور کھو بیٹھتے ہیں اپنا مال

اسمٰعیل

۵۹- اسلم کی بلّی

چھوٹی سی بلّی کو میں کرتا ہوں پیار — صاف ہے ستھری ہے بڑی ہے کھلاڑ
گود میں لیتا ہوں تو کیا گرم ہے — گالے کے مانند رواں نرم ہے
میں جو نہ چھیڑوں تو نہ جھلّائے وہ — میں نہ ستاؤں تو نہ غرّائے وہ
کھینچ کے دم اب نہ ستاؤنگا میں — گھر میں سے باہر نہ بھگاؤنگا میں
اب نہ ڈریگی وہ مری مار سے — کھیلینگے ہم دونوں بہت پیار سے
صحن میں گھر میں کبھی میدان میں — کھیلینگے در میں کبھی دالان میں
دُم کو ہلا میرے پڑیگی وہ پاؤں — بولیگی پھر پیار سے میاؤں میاؤں

دو نگا اسے گیند میں جب آن کر — جھپٹے گی وہ اس پہ چوہا جان کر
تاک لگائیگی دبوچے گی خوب — مار پنجے اسے نوچے گی خوب

ہم نے بڑے پیار سے پالا اسے
کہتے ہیں سب چوہوں کی خالا اسے

اسمٰعیل

۶۰- مُرغابی

ڈھل گیا دن اور شبنم ہے زمیں پر قطرہ ریز — گوشۂ مغرب میں گلگوں ہے شفق سے آسماں
پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زرد زرد — جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اُڑتی کہاں



دیکھتا کیوں ہے عبث صیّاد سوئے آسماں — یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغوانی ابرِ فلک کے منظرِ خوش رنگ نے — کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو



ڈھونڈھتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آشیاں — یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو
کیا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو — یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

تو جو بے سنگِ نشانِ جادہ و بے مرحلہ
کر رہی ہی آسماں پر قطعِ طبقاتِ ہوا
اُڑ سکے بے بدرقہ تو یہ کہاں تیری مجال
کوئی طاقت ہی مگر تیری مقرر رہنما

اے سُبک پرواز تیری سرعتِ پرواز نے
طے کیے کتنے ہی دن بھر سرِ طبقاتِ نسیم
ہوکے دراماندہ زمیں پر گر نہ شہپر جوڑ کر
شب کی ظلمت کا ہی گرچہ سر پہ طوفانِ عظیم

ہو چکی تیری مشقت ختم تجھ کو عنقریب
گرمیوں کا اک سہانا گھر ملیگا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی پہ تو
اور نشیمن پر ترے ہوگی نیستاں کی بہار

ہو گئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو
اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہی سبق لیکن تری پرواز سے
ہی طریقِ زندگی میں تو مری آموزگار

منطقہ سے منطقہ تک اے سُبک پرواز شوق
وسعتِ اوجِ فلک پر ہی جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائیگا وہ منزلِ مقصود تک
جب کرونگا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

(ترجمہ از انگریزی) ——— سرورؔ جہاں آبادی

۶۱۔ سارس کا جوڑہ

کنارِ آبِ دوراں سفر میں شام پڑ جانا ۔۔۔ مصیبت خیز تھا سارس کے جوڑی کا بچھڑ جانا
شبِ تاریکِ فرقت میں بھٹکنا ان غریبوں کا ۔۔۔ صدا دینا مگر قسمت کا ایسا پیچ پڑ جانا
کہ یہ اس پار لپکا اور اُڑا وہ دوسری جانب
یونہی تدبیر کا ہر بار بن بن کر بگڑ جانا

غرض شب بھر یونہی اک دوسرے کی جستجو کرنا ۔۔۔ مقابل کے کناروں سے وہ اُن کا ہاؤ ہو کرنا
وہ آغوشِ تمنّا کھول کر مجبور رہ جانا ۔۔۔ وہ بیتابی سے اظہارِ وفورِ آرزو کرنا
سُنانا دُور سے وہ داستانِ شوق دونوں کا
وہ اپنی بے بسی بیچارگی پر گفتگو کرنا

مگر آخر نشاں مشرق میں اُٹھنا مہرِ تاباں کا ۔۔۔ اِدھر روپوش ہو جانا شبِ تاریکِ ہجراں کا
وہ صُبحِ وصل کا آنا وہ اُن کا شوق سے ملنا ۔۔۔ غمِ دُوری کا مٹ جانا نکلنا دل کے ارماں کا
ستائش بخت کی کرتے ہوئے اُڑنا نشیمن سے
محبت سے نئے سر سے وہ ہونا عہد و پیماں کا

محرومؔ

۶۲- بیا

ایک چھوٹا سا پرندہ دیکھنے میں ہے بیا — پر زمانے بھر کی ہیں موجود اس میں خوبیاں
رہتا ہے بچپن میں بھورا رنگ کچھ سیاہی لیے — اک برس کے بعد پھر ہوتی ہیں رنگ آمیزیاں
موسمِ باراں میں ڈھل جاتا ہے جب اس کا لباس — ہوتے ہیں اس وقت پیارے رنگ پھر اس کے عیاں
سر کے اوپر کبھی اور نیچے پیارا زرد رنگ — کلک قدرت کی عیاں ہو جاتی ہیں گل کاریاں

بعد بارش پھر وہی ہے رنگ کی اصلی نمود
انقلابِ دہر سے کچھ کم نہیں تبدیلیاں

ہے جفاکش وہ بلا کا ہے غضب کا وہ عقیل — کیسی خوبی سے بناتا ہے وہ اپنا آشیاں
بین کے مانند ہوتا ہے بلا شک گھونسلا — اس شجر پر جو بلندی میں ہو چھوتا آسماں
نر اسے تیار کرتا ہے خود اپنی چونچ سے — مادہ لالا کر دیا کرتی ہے اس کو تیلیاں
کام میں مشغول گاہے ہے کبھی نغمہ سرا — راگ سے آباد رکھتا ہے وہ اپنا آشیاں

آشیانے میں فقط برسات میں رہتا ہے وہ
موسمِ گل میں ہے وہ سیاحِ گلزارِ جہاں

بچوں کے رہنے کا گھر بھی وہ بناتا ہے جدا — اس کی عقل و فہم و دانائی کا ہو کیونکر بیاں

جلد دوم

ایک جھولا متصل ہوتا ہے بے حد خوشنما　　واسطے بچوں کے ہیں موجود سب ان چھپیاں
گیلی مٹی گھونسلے میں وہ لگا کر اک طرف　　اس پہ اک جگنو بٹھاتا ہے بجائے شمعداں
شمع بزم افروز کہیئے کرمکِ شب تاب کو　　جس سے ہے پر نور رہتا رات کو اس کا مکاں

ساتھ بچوں کے رہا کرتی ہے مادہ رات کو
نر کی جا ہے یا ہنڈولہ یا کہ کنجِ آشیاں

اپنے ہمجنسوں کا ہو جاتا ہے وہ دشمن ضرور　　آ گئی گر بات کوئی ناخوشی کی درمیاں
کیا بیاں تم سے کروں جنگ و جدل کا حال میں　　کیسی کیسی کرتا ہے وہ معرکہ آرائیاں
گھونسلے کو کاٹ دیتا ہے وہ اپنی چونچ سے　　توڑتا ہے انڈوں کو لے لیتا ہے بچوں کی جاں
اپنے آقا سے بھی وہ مانوس ہوتا ہے بہت　　سنتے ہی آواز اُس کی سمت ہوتا ہے رواں

جس کی قدرت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ یہ بیا
وہ ہے صناعِ حقیقی خالقِ کون و مکاں

باسط۔ بسوانی



۶۳۔ تتلیاں

یہ آہ کیسی تتلیاں — ہیں اُڑ رہیں یہاں وہاں
انوکھے جن کے ڈھنگ ہیں — طرح طرح کے رنگ ہیں
یہ کیسے بیل بوٹے ہیں
فلک سے پھول ٹوٹے ہیں

سحر

۶۴۔ دو مکھیاں

ایک مکھی کہ ہے نری احمق — فکرِ انجام اسے نہیں مطلق
کوتہ اندیش لالچی نادان — دیتی پھرتی ہے مفت اپنی جان
گری شیرہ پہ حرص کے مارے — پاؤں اور پر لتھڑ گئے سارے
آنکھ اس کی ہیئے کی پھوٹ گئی — اکھڑے بازو تو ٹانگ ٹوٹ گئی
آخرش پھنس کے رہ گئی مکھی
کیا حماقت کی چاشنی چکھی

ایک مکھی ہی سخت دور اندیش سوچ لیتی ہی کام کا پس و پیش
اِس پہ غالب نہیں ہوسناکی اُڑتی پھرتی ہی وہ بہ چالاکی
کہیں مصری کی جب ڈلی پائی تو بآہستگی اُتر آئی
گرچہ اس کام میں لگی کچھ دیر چاٹ کر ہو گئی مگر وہ سیر
کس مزے سے گزارتی ہی دن
شکر کا گیت گاتی ہے بھن بھن

اسمٰعیل

۶۵- جھینگر اور شہد کی مکھی

شہد کی مکھیوں کے در پر جا کسی جھینگر نے یوں سوال کیا
مائیو ہوں میں اک غریب فقیر درد افلاس سے بہت دلگیر
آج کل کس غضب کا پالا ہی مجھے سردی نے مار ڈالا ہی
تمھیں اللہ نے دیا سب کچھ بھیک دو مجھ غریب کو اب کچھ
راہِ مولا ذرا سا شہد پلاؤ
دین و دنیا کا تم ثواب کماؤ

مکھیوں نے کہا میاں جھینگر　　جسم میں تم ہو ہم سے بڑھ چڑھکر
دست و پا گر ہلاتے گرمی میں　　مرتے ہرگز نہ بھوکے سردی میں
یا کہ برسات کے تھے جب ایام　　ان میں محنت سے تم جو کرتے کام

جمع اچھا ذخیرہ ہو جاتا
آج کل وہ تمھارے کام آتا

بولا جھینگر بہت ہوں میں کمبخت　　مجھ کو قسمت کی ہی شکایت سخت
جب کہ گرمی تھی یا کہ تھی برسات　　میں نے گانے میں کھوئے دن اور رات
نہیں جاڑے کا کچھ خیال آیا　　جمع کرتا کہاں سے سرمایہ

اب مجھے کچھ خدا کی راہ پہ دو
بھاگوا نو بھلا تمھارا ہو

مکھیاں بولیں اس سے اے جھینگر　　چین سے جا تو بھائی اپنے گھر
جب جو گاتا رہا تو اب بھی گا　　اور کھانے کی جا ہَوَا تو کھا

کل کا جو فکر آج کرتے ہیں
کبھی بھوکے نہیں وہ مرتے ہیں

مچھر

۶۶- جگنو اور بچہ

سناؤں تمھیں بات اِک رات کی — کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی
چمکنے سے جگنو کے تھا اک سماں — ہوا پر اُڑیں جیسے چنگاریاں
پڑی ایک بچے کی اُن پر نظر — پکڑ ہی لیا ایک کو دوڑ کر
چمکدار کیڑا جو بھایا اُسے — تو ٹوپی میں جھٹ پٹ چھپایا اُسے
وہ جھم جھم چمکتا اِدھر سے اُدھر — پھرا کوئی رستہ نہ پایا مگر
تو غمگین قیدی نے کی التجا — کہ چھوٹے شکاری مجھے کر رہا

خدا کے لیے چھوڑ دے چھوڑ دے
مرے قید کے جال کو توڑ دے

کروں گا نہ آزاد اُس وقت تک — کہ میں دیکھ لوں دن میں تیری چمک

چمک میری دن میں نہ دیکھو گے تم
اُجالے میں ہو جاتی ہے وہ تو گم

ارے چھوٹے کیڑے نہ دے دم مجھے — کہ ہے واقفیت ابھی کم مجھے
اُجالے میں دن کے کھُلے گا یہ حال — کہ اتنے سے کیڑے میں ہے کیا کمال

دھواں ہی نہ گرمی نہ شعلہ نہ آنچ
چمکنے کی تیرے کرونگا میں جانچ

یہ قدرت کی کاریگری ہی جناب — کہ ذرہ کو چمکائے جوں آفتاب
مجھے دی ہی اس واسطے یہ چمک — کہ تم دیکھ کر مجکو جاؤ ٹھٹک

نہ الّڑپنے سے کرو پائمال
سنبھل کر چلو آدمی کی سی چال

اسمٰعیل

۶۷ - برساتی پتنگے

لمپ رکھ کر سامنے کچھ دیر شب کو دیکھئے — سیکڑوں ذی روح آجاتے ہیں ہر ہر رنگ کے
جمع ہو جاتا ہی پروانوں کا اک جم غفیر — گو بظاہر دیکھنے میں ہیں یہ بالکل ہی حقیر
قدرت باری کی ہیں لیکن یہی بہتر مثال — ان کی شکلوں سے ہی ظاہر ان کی صانع کا کمال
مونچھیں ہیں منھ پر کسی کی سونڈ رکھتا ہی کوئی — گول صورت ہی کسی کی اور لانبا ہی کوئی
سبز ہی رنگت کسی کی ہی کوئی بالکل سیاہ — وہ چمک ہی دیکھ کر جس کو پھسلتی ہی نگاہ
ہیں کسی پر پتلی پتلی خوبصورت دھاریاں — اور کسی کی پشت پر ہیں چھوٹی چھوٹی چتیاں

جلد دوم

کوئی چپ رہتا ہی بالکل بھنبھناتا ہی کوئی — کوئی ہی معصوم سیرت اور رستا ہی کوئی
الغرض ظاہر ہی ان سے قدرتِ پروردگار
اور ان کا موسم باراں پہ ہی دارومدار

هادي

۶۸- کیڑا

تم اِس کیڑے کو دیکھو تو لگاتار — تمھاری راہ میں ہی گرم رفتار
چلا کترا کے کیا کیا پیچ و خم سے — جھجکتا ہی یہ آوازِ قدم سے
کسی سوراخ میں دن کاٹتا ہی — سویرے اُٹھ کے شبنم چاٹتا ہی
کرو چشمِ حقیقت بیں سی تمیز — کہ سمجھے ہو جسے تم سخت ناچیز
اسے قدرت نے زرّیں پر دیے ہیں — کچھ اک سبزی و سُرخی بھی لئے ہیں
نہیں لگتی ہی اچھی مور کی دُم — کہ خوش ہوتے ہو اس کو دیکھ کر تم
جو دیکھو ناچ اس کا دُور ہی سے — تو اُس پر لوٹ ہو جاتے ہو جی سے
مگر کیڑے کو بھی سمجھو نہ ہیٹا — یہ مانا خاک مٹی میں ہی لیٹا
نہ بے پروائی سے چلیے جھپٹ کر — قدم رکھیے ذرا کیڑے سے ہٹ کر

کہ ہی دونوں سے دانا دیکھ سکتا نمونے دو ہیں کاریگری یکتا
ہی دونوں ہی میں یکساں دستکاری کسے ہلکی کہیں اور کس کو بھاری
اگر ہی خوبصورت مور پیارا تو کیڑا بے گنہ کیوں جائے مارا
بظاہر کچھ نہیں اس کی حقیقت مگر جب اس کی کرتے ہو بُری گت
تو ہی ننھی سی جاں اس کی تڑپتی
ہی تم جیسا ہی اک جاندار وہ بھی

اسمٰعیل

۶۹ - چھوٹی چیونٹی

بڑی عاقلہ ہی بہت دُور بیں ہی کہ فکر اپنی روزی کا تیرے تئیں ہی
اِسی دُھن میں پہونچی کہیں سی کہیں ہی کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہی
نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت ذرا سی تو جان اور اُس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہی مشقت مصیبت نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمت
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہی

جلد دوم

کبھی کام تونے ادھورا نہ چھوڑا کبھی تو نے تکلیف سے مُنھ نہ موڑا
ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہی جوڑا بہت کام تو نے کیا تھوڑا تھوڑا
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہی

جو گرمی کی رُت میں نہ کرتی کمائی تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی
تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی سمجھتی ہی اپنی بھلائی بُرائی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہی

نہ کھو وقت سُستی میں مہلت ہی تھوڑی وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہی چیونٹی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہی

اسمٰعیل

۷۰ - انسان

خدا نے دی ہی اسے ایسی موہنی صورت کہ جس نے اس کی طرف دیکھا پھر نہ منھ پھیرا
خدائے پاک نے اِس کو دیا ہی خلقِ عظیم یہی تو ہی جو ہی انسانیت کا اِک تحفہ
ہی اُنس مادّہ اُس کا محبّت اُس کا خمیر یہی سبب ہی جو انسان نام اُس کا ہوا

کہاں ہے سرو میں ایسی لطیف رعنائی — اِس آدمی کا ہے جیسا حسین قدِ بالا

شباب کی وہ خوش آیند دھوپ ہے منہ پر — کہ جس کی گرمی سے روشن ہے چاند سا چہرا

جوانی ہے کہ وہ آبِ حیات کا چشمہ — اِسی سے معتدل اس جسم کی ہے آتش و ہوا

اِسی سے عقل میں جودت ہے فکر میں تیزی — اِسی سے نور ہے آنکھوں میں گوش ہے شنوا

جو تجھ کو کرنا ہے اے دل شباب میں کر لے — کہ جسم پر ابھی قابو ہے چشمِ عقل ہے وا

شباب میں تھے بڑے زوردار ہاتھ مگر — اب ان میں ہیبتِ پیری سے پڑ گیا رعشا

کبھی یہ زور تھا گینڈے کی ڈھال چیرتے تھے — یہ حال ہو گیا اب ٹوٹتا نہیں دھاگا

وہ کان سنتے تھے جو پائے مور کی آواز — اب اُن کے سر پہ چلے توپ تو نہ آئے صدا

کشیدہ تھا کبھی مثلِ الف جو قدِ سہی — وہ منحنی ہوا ایسا کہ بن گیا ہمزہ

سمجھ میں کچھ نہیں آتی حقیقت انساں کی — یہ کیا ہے آب ہے آتش ہے خاک ہے کہ ہوا

ابھی ابھی تو یہ سب کچھ ہے پھر یہ کچھ بھی نہیں
عجب طلسم کا سا حال ہے کہے کوئی کیا

سید شاہ محمد اکبر

۱۷ - ایک حسین لڑکی

چہرہ یہ پیارا پیارا آنکھیں یہ کالی کالی
لب گل کی پتیاں ہیں صورت ہے بھولی بھالی
نازک بدن ہے اس کا یا نخل گل کی ڈالی
چہرہ کا رنگ دیکھو کہہ دو کہ پھول والی
رُخ پر جو آ رہی ہیں اُڑ کر لٹیں ہوا سے
سرکا رہی ہے اُن کو کس ناز سے ادا سے

ناز اس کے قدرتی ہیں یہ اُن سے بےخبر خود
دلکش نظر ہے لیکن واقف نہیں نظر خود
بالوں میں بن رہے ہیں گھونگر ادھر اُدھر خود
وارفتہ ہو رہا ہے حسن اُس کی شکل پر خود
کیسا دہن ہے زیبا کتنا ہے تنگ دیکھو
آنکھوں میں لال ڈورے لائے ہیں رنگ دیکھو

کس لطف سے لڑکپن اس کو کھلا رہا ہے
چھوٹے سے قد کو کیا کیا چالیں سکھا رہا ہے
مگر کبھی تبسم ہونٹوں پہ آ رہا ہے
مگر کبھی نظر سے شوخی دکھا رہا ہے
وارستگی تو دیکھو بےخود ہے کس قدر یہ
آنچل زمیں پہ لوٹا لیکن ہے بےخبر یہ

چوٹی نہیں بندھی ہے بال اُڑ رہے ہیں سارے
پُھندنے اُلجھ گئے ہیں بالوں میں تو بلا سے

سر پر چمک رہے ہیں ذرّہ ذرا ذرا سے   بالوں پہ جمتی ہی گرد اُڑ اُڑ کے جا بجا سی

کرتا کریب کا ہی کانٹوں پہ ہی وہ اٹکا

دامن پھٹا وہ دیکھو کھنچا جو دیکے جھٹکا

کرتے کو دیکھ کر یہ پہلے تو مُسکرائی   پھر کچھ جو دھیان آیا حیرت سی رُخ پہ چھائی

پوچھیگی ماں کہاں سے کرتے کو پھاڑ لائی   یہ ڈر نہیں تو چھوٹی چہرہ پہ کیوں ہوائی

کرتے کو دیکھتی ہی کانٹوں کو دیکھتی ہی

ماں سے یہ کیا کہیگی بس سوچ اسے یہی ہی

ٹہلی پھر اُٹھ کے اب کچھ تسکین پا رہی ہے   رنگت اُڑی ہوئی پھر چہرے پہ آ رہی ہے

چھوٹی سی آرسی کو نظروں میں لا رہی ہے   خود مُنھ چڑا رہی ہی خود مسکرا رہی ہے

لائی ہوا جو اپنے دامن میں گرد بھر کے

آنچل میں مُنھ چھپایا آنکھوں کو بند کر کے

چل نکلی اور ٹھٹک کر مجھ پر نگاہ ڈالی   میں اُس کو دیکھتا ہوں یہ بات اُس نے پالی

آنکھیں اُٹھا کے دیکھا اور پھر نظر بچا لی   یہ قدرتی حیا ہی دل کی لُبھانے والی

دیکھے جو پھر تو شاید ترچھی نظر سی دیکھے

پھیرا ہی رُخ تو شاید مُڑ کر ادھر سی دیکھے

جلد دوم

دیکھا تو اُس نے لیکن گردن جھکا کے دیکھا — آنچل کو سر پہ ڈالا اور مُسکرا کے دیکھا
کیا ترچھی چتونوں سے آنکھیں چرا کے دیکھا — دیکھا پھر اُس نے دیکھو آنچل ہٹا کے دیکھا

پایا نیا جو مجھ کو کچھ شرم آئی اُس کو
فطرت کی یہ ادا ہی بننے کا فہم کس کو

چشمے کی راہ لی ہے شاید پئے گی پانی — پہونچی تو دیکھتی ہے چپ سُن کھڑی روانی
عکسِ فلک کی رنگت سورج کی ضوفشانی — پانی تو ہے سنہرا اور تہ ہے آسمانی

لہروں میں جلتی پھرتی سورج کی جو چمک ہے
اس سے چمک سی ہے کیا بجلیوں کا شک ہے

وہ پائینچے سنبھالے پانی تو خیر کم ہے — ٹخنوں ہی تک ہے گہرا اور چند ہی قدم ہے
لیکن لچک بدن میں چلنے سے دم بدم ہے — نازک ہے پاؤں پھسلے پانی میں تو ستم ہے

وہ اوڑھنی نہ سنبھلی پانی سے تر ہوئی ہے
وہ لڑکھڑائی دیکھو دہری کمر ہوئی ہے

نالا اُتر کے پہونچی زیرِ شجر کھڑی ہے — ننھے سے دل پہ اُس کے ہیبت بڑی ہے
کچھ اوڑھنی بدن پر کچھ خاک پر پڑی ہے — خوشے پکے ہوئے ہیں ان سے نظر لڑی ہے

میں جامنیں گرادوں بھلے ہیں تو اچھا
کھیلے ہیں تو اچھا ٹہلے ہیں تو اچھا

شوق قدوائی

ایک صُبح کی عبادت گزار

(ایک تصویر کا سراپا)

واہ کیا صُبح کا عالم ہے خدا کی قدرت
مُہرِ خاموشی بس اب توڑنے کو ہے خلقت

جھلملا کر وہ جبھپے جاتے ہیں تارے دیکھو
پڑ گئی پھیکی وہ مہتاب کی گہری رنگت

آشیانوں میں چہکنے لگے خوش لہجہ طیور
بے زبانوں کی زباں پر بھی ہے سرِّ وحدت

سنکھ پھکنے لگے بجنے لگے گھنٹے گھڑیال
اُٹھی ہر قوم عبادت کو بحسبِ عادت

بندھ گئیں لاکھوں صفیں اُس کی حضوری کے لئے
وہ سُنی جانے لگی بعد اذاں قد قامت

ایسے عالم میں ہے اک معبدِ عالی کی نمود
سامنے میز کے استادہ ہے اک خوش قامت

میز کیا ہے کہ یہ اک رحل ہے قدِّ آدم
ہے کھلی جس پہ کتاب ایک برائے قرأت

پڑھنے والے کا جو انداز ہے وہ کیونکہ کہیں
ہو سُتم کی نہیں ہے اپنے قلم میں قدرت

جلد دوم

بھولی بھالی سی ہے اک چینی کی صورت گویا — ہے فرشتہ کہ پری کہیے کہ حورِ جنت ہے

کس قدر کھلتا ہے اس جسم پہ یہ گون سیاہ — سینے پر جھاگ سی جھالر وہ کفوں کی حالت

گورا بھرا سا وہ چہرا تو بھبوکا سے وہ گال — جن پہ اک اور ہی معصوم پنے کی رنگت

کولوں تک آئے ہوئے اس کے سنہری وہ بال — مانگ ہے یا کہ نشانے پہ بیاضِ قدرت

پتلیاں اٹھی ہوئیں دھیان میں اوپر کی طرف — چلیں نیلم کی یہ دو تیریاں توڑ کے چھت

لعلِ رنگیں کا دوپیکا کیے ان ہونٹوں کو — اب کھلی بات کسی طرح ذرا ہو حرکت

جیسے بلور چمکتا ہوا ایسی ٹھوڑی — لمبی گردن سے صراحی کی گلے کو خجلت

چاند سا سینہ بھرا جسم جوانی کا یہ جوش — لطف آجائے اگر جھومے یہ سروِ قامت

وہاں اس وقت ہے معبود کی طاعت کا بیان — بات کرنے کے اشارے نہ زباں میں قدرت

کہنیاں ہاتھوں کی اس رحل کے اوپر ہیں ٹکی — انگلیاں جن کی کہ پیوستہ ہوئی ہیں آیت

ایسی صورت پہ بھی خالق کو نہ رحم آئے گا
ایسے بندے پہ بھی کیونکر نہ کریگا رحمت

شاعر

۷۳۔ پاربتی

اس راجہ ہماچل کے گھر اک بالی سندر بیٹی تھی

مُکھ اس کا چندر للسن کا تھا نام اس کا گوراپاربتی

لب لعلِ یمن اور غنچہ دہن تن برگ سمن قد سرو سہی

پوشاک جھلکتی تاش زری ان گنتی پہنے من موتی

وہ کنٹھلے کنگن کندن کے وہ بازو چھلّے اور مندری

وہ جھانجن بجتی سونے کی اور چوڑی گھنگرو چورسی

ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں میں وہ نندن پھرتی

نت رہتی ہاتھوں چاؤں میں اور مانی آس مرادوں کی

سکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی

سو ساٹھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی

سب پیار کریں تن من واریں سنگ کھیلیں حسیں بہلیں جی

سب گہنے میں سر پاؤں لدیں تن سوہا سالو اور چتری

کوئی اُچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کرتی اٹکھیلی
دن رات ہنسیں اور چین کریں ہر آن کی خوبی خوش وقتی
تھی رہتی گورا پاربتی اِن روپ سروپوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں

نظیر اکبرآبادی

۴۷- دوشیزہ

ایک دن جو برائے سیر اُٹھا ۔۔۔ دیکھی کوٹھے پہ ایک ماہ لقا
بام روشن تھا طور کی صورت ۔۔۔ سر سے پا تک ہی نور کی صورت
حُسنِ یوسف بھی اس کے آگے ماند ۔۔۔ چہرہ زلفوں میں جیسے ابر میں چاند
گُل سے رُخسار گول گول بدن ۔۔۔ گال جس طرح قمقمے روشن
جلوۂ حُسن رشکِ شعلۂ طور ۔۔۔ چشم بد دُور آنکھیں موتی چور
رُخ پہ وہ بکھرے بکھرے زلف کے بال ۔۔۔ رگِ گُل سے وہ ہونٹ گال سجل
ناک میں نیم کا فقط تنکا ۔۔۔ شوخی چالاکی مقتضا سِن کا
آستینوں کی وہ چھینی کرتی ۔۔۔ جسم میں وہ شباب کی پھرتی

قد ہیں آثار سب قیامت کے
گوری گردن پہ طوق منت کے

رُخ پہ گرمی سے وہ عرق کم کم
جس طرح گل پہ قطرۂ شبنم

عکسِ رُخ موتیوں کے دانوں میں
بجلیاں چھوٹی چھوٹی کانوں میں

آڑی ہیکل گلے میں ڈالے ہوئے
پیاری پیاری کچیں نکالے ہوئے

سرو سا قد تو گل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے

کیا خدا داد حسن پایا تھا
آپ اللہ نے بنایا تھا

مرزا شوق

۷۵۔ عروس

پرستاروں نے یوں اُس کو بنایا
جہاں میں حورِ جنّت کر دکھایا

عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی
کہ بھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی

لپٹ آئی جو یوں زلفوں کی بیل
ہوئی کافور بوئے مشک تاتار

کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی
کہ سب اہلِ نظر کی جان لوٹی

جب اس کی موتیوں سے مانگ بھر دی
فلک نے کہکشاں قربان کر دی

جو ٹیکا اس کے ماتھے پر لگایا
قمر نے اپنے دل پر داغ کھایا

برنگِ مہرِ تاباں تھا جو چہرہ
ہوا تارِ شعاعی منہ پہ سہرہ

وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی
پسِ مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی

جب اُس کے کان میں پہنا یا جھمکا
پریشاں ہو گیا عقدِ ثریا

پہن کر نتھ خوشی سے رنگ دمکا
وہ مکھڑا چاند سا گھونگھٹ میں چمکا

مسی آلودہ دنداں پیارے پیارے
چمکتے تھے شبِ یلدا میں تارے

مسی مل کر جب اُس نے پان کھایا
یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے
تماشہ ہے تہِ آتش دھواں ہے

بنایا خال کاجل سے ذقن پر
عجب جوبن تھا اس رشکِ قمر پر

چڑھی منہ پر دُلہن کے ایسی سیڑیں
کہ پھیکی پڑ گئی نظروں میں شیریں

گلے میں پہنا جب موتی کا مالا
بنات النعش کو حیرت میں ڈالا

اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے
زرِ خالص کے زیبا چھڑے تھے

بہت اس کے سوا بھی اور گہنا
مناسب جس جگہ تھا اس نے پہنا

میر حسن

٧٦- خادمہ

اتنے میں گھر سے نکلی اک عورت — سانولا رنگ چلبلی صورت
لال نیفا ازار بند بڑا — لچھا اک کنجیوں کا اُس میں پڑا
کھیلتی ہنستی کھلکھلاتی ہوئی — آنکھ ایک ایک سے ملاتی ہوئی
چاق چوبند سینہ زوری میں — پھول رکھے ہوئے کٹوری میں
آنکھ ایک ایک پر گھلاوٹ کی — بات ایک ایک سے لگاوٹ کی
حسن کے دن جوانی زوروں پر — رات کی باسی مہندی پوروں پر

یہاں ٹھہری کبھی وہاں ٹھہری
دو دو منہ ہنس لئے جہاں ٹھہری

میاں زار شوق

٧٧- ماما

اتنے میں آدمی نے دی یہ خبر — اک سواری کھڑی ہے ڈیوڑھی پر
آئی ماما بھی ایک ہی ہمراہ — کمسن چالاک بد صدا کی پناہ

پوچھتی آئی ہی یہاں تک گھر
ہاتھ رکھے کھڑی ہی کولے پر
اپنے سایہ سے بھی بھڑکتی ہی
بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہی
شرم ہی آنکھ میں نہ دل میں خطر
پھبتیاں کہہ رہی ہی اک اک پر
ہنسی ٹھٹا جگت ضلع میں طاق
چل رہی ہی زبان تڑاق تڑاق
کھڑی اک اک کا منھ چڑاتی ہی
ہنسے دیتی ہی لوٹی جاتی ہی
چوٹی لیٹی ہی ماہی ہاروں سے
لڑ رہی ہیں جگت کہاروں سے

راستے والے جو گزرتے ہیں
سن کے کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں

مرزا شوق

۷۸۔ نوشہ کا حمّام

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اس کے اندام میں
تنِ نازنیں نم ہوا اس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ہی شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لیکر وہاں
لگے ملنے اس گلبدن کا بدن
ہوا ڈہڈہا آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک   برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر   نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس   کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر یہ اعجازِ حسن   ٹپکنے لگا اس سے اندازِ حسن
گیا حوض میں جب شہِ بے نظیر   پڑا آب میں عکس ماہِ منیر
وہ گورا بدن اور بال اس کے تر   کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
زمیں پہ بہا اک موجۂ نور خیز   ہوا جب وہ فوّارہ ساں آب ریز
زمرّد کے سے ہاتھ میں سنگ پا   کیا خادموں نے وہ آہنگ پا
ہنسا کھلکھلا کر گلِ نوبہار   لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں کا ہوا   اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے   ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے
دعائیں لگے دینے بے اختیار   کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار
کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی   مبارک تجھے روز و شب کی خوشی
نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل   چمکتا رہے یوں فلک کا سہیل
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ   اٹھا کھیس لائے اسے ہاتھوں ہاتھ

حصۂ دوم

نہا دھو کے نکلا وہ گُل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

میر حسن

۷۔ شادی کی دھوم

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہ شب فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار

کوئی دوڑ گھوڑے کو لانے لگا
کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے
سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

ٹکورے وہ نوبت کے اور اُن کے بعد
گرجنا وہ دھوسوں کا مانند رعد

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے
پتنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے

براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق
وہ آوازِ سرنا وہ آوازِ بوق

وہ ابرک کی ٹٹی وہ مینے کی جھاڑ
کہے تو کہ تنکے کے اوجھل پہاڑ

دو رستہ برابر برابر وہ تخت
کسی پر کنول اور کسی پر درخت

اناروں کا دغنا بھچینے کا زور
ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور

وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
جب آئی وہ دلہن کے گھر پر برات کہوں اس کے عالم کی کیا تجھ سے بات
بلوریں دہرے شمعداں بے شمار چڑھیں بتیاں موم کی چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے دہرے ہر طرف جھاڑ بلور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت کہ بس ملے ایک سے ایک سب پیش و پس
وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان پلا سب کو شربت دئیے ہار پان
وہ سب ہو چکے جبکہ رسم و رسوم سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت وہ دلہن کی رخصت وہ رونے کا وقت
وہ دلہن کا رو رو کے ہونا جدا وہ ماں باپ کا اور رونا جدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز
یہاں موت ہے اہلِ عرفان کو کہ جانا ہے اک دن یونہی جان کو

وہ جو درد مندی سے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

میر حسن

۸۰ ۔ جلوس

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم
ہوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار

سنہری روپہلی وہ عمّاریاں
شبِ روز کی سی طرحداریاں

چمکتے ہوئے بادلے کے نشان
سواروں کے عطا و سبانوں کی شان

ہزاروں ہی اطراف میں پالکی
جھلا بور کی جگمگی نالکی

کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور اُن کے دبے پاؤں کی پھرتیاں

بندھی پگڑیاں طاش کی سر اوپر
چکا چوند میں جس سے آوے نظر

وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے
جھلک جنکی ہر ہر قدم پر پڑے

وہ ماہی مراتب وہ تختِ رواں
وہ نوبت کہ دولہ کا جیسی سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما
سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم بالباسِ زری

بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے سے شادکام

سوار اور پیادے صغیر اور کبیر
جلو میں تمامی امیر اور وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں ... شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار ... چلے سب قرینے سے باندھے قطار
سجے اور سجائے سبھی خاص و عام ... لباسِ زری میں ملبّس تمام
طرق کے طرق اور ٹیپے کے پرے ... کچھ اِدھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے
وہ فیلوں کی اور میگڈمبر کی شان ... جھلکتے وہ مقیش کے سائبان
چلے پایۂ تخت ہو کے قریب ... بدستورِ شاہانہ نیتی جریب
سواری کے آگے پئے اہتمام ... لیئے سونے روپے کے عاصے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار ... یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اسی اپنے معمول و دستور سے ... ادب سے تفاوت سے اور دُور سے
بلا نوجوانوں بڑھے جائیو ... دو جانب سے باگیں لیئے آئیو
بڑھے جائے آگے سے چلتے قدم ... بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی ... کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم ... کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک ... دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
کیا تھا ترلبس شہر آئینہ بند ... ہوا چوک کا لطف و ان چار چند

جلد دوم

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ — گزرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مُردو زن — ہر اک سطح تھی جوں زمینِ چمن
لگا لُنج سے تا نحیف و ضعیف — تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جب کو آیا وہ ماہِ تمام — کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

دعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

میر حسن

۱۸۔ شیو شنکر جی کی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوشوقتی سے اسوار ہوئے
سب آگے پیچھے دولھا کے دل شاد براتی ساتھ چلے
فانوسیں رنگیں جھلملیاں اور جھاڑ بڑی گل کاری کے
ہر آن چترا اُچھوڑ دھیں اور سیس کے اوپر چتر پھرے
وہ پریاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمک رہے
نقارے نوبت طبل نشاں الغوزے بجتے اور ڈفلے

ہر سرنا ہیں دُھن میں میں کی اور کرنا ترئی جھانجھ بڑے
کر دھونسے دھوں دھوں باج رہے اور تاسے بجتے کڑکڑ سے
مردنگ مندیلے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ڈھول دھمادم شور کریں اور جھنیے بھی چھم چھم کرتے
وہ ہاتھی کنچل اور رکنے انباری ہووے اور بنگلے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹا لے
وہ جھاڑ اور مشعلیں پنچشاخے سب روشن اونچے شعلوں کے
وہ صحرا جھمکا کوسوں تک ہر طور اجالے جا پہونچے
وہ گھوڑے میانے گھڑبہلیں رتھ اونچے پئے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہولے ہولے چلتے تھے
جب آن برات آئی در پر یہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ پریاں ناچیں تختے پر جھنکاریں مار مجیروں کی
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دُھن کرنا سرنا کی اونچی
دروازے کوٹھے گونج رہے آواز سہانی اُن کی تھی
کل زیب براتی چار طرف اور بیچ سواری دولھا کی

سب چھجّے چھجّے کوٹھوں پر واں دیکھی زینت اور خوبی
سب واہ کریں اور چاہ کریں، اور ٹھاٹھ کو دیکھیں کھڑی کھڑی
ہوں دیکھ کے صورت دولھا کی واں سو سو دل سے بلہاری
وہ آئی تھی جو ساتھ لدی اور آتش بازی چھٹتی تھی
مہتاب انار اور پھلجھڑیاں بہت پھول ہوائی خوب کڑی
اک پہر تلک دروازے پر واں پھول رہی پھلواری سی
سب ہاتھی گھوڑے بیل اچھلیں غل شور ہوا اور دھوم مچی
وہ طبل بجیں اور ڈھفلے بھی نقّارے تاشے اور ترئی
وہ ڈھول اور جھلنی باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی
سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے یہ دیکھ تماشے خوبی کے
کر وصف بہت بلہار ہوئے اس دولھا کی محبوبی کے

نظیر اکبرآبادی

۴۲۔ شادی کی محفل

جو بانے جھاڑے خار و خسک اور بادل پانی چھڑکائے
بانات قناتیں شمیانے دل بادل تمبو تنوائے
مگزے جھالر موتی کے کمخواب مشجر جھلکائے
کل فرش حریرا و ردیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
مقیش زری کے لچھے بھی پھر جا گہ جا گہ لٹکائے
گل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر رکھوائے
پھر تھال الائچی لونگوں کے پھر خوب طرح سے چنوائے
چنگیر دھرے سوزیب بھرے اور طرہ ہار بھی گندھوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے
جو ٹھاٹھ بڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جمکائے

نظیر اکبر آبادی

جلد دوم

۸۳- دُلہن کا جہیز

جس آن ہوئے شیو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
پوشاکیں رنگیں زیب بھریں ہر تار پڑا جن کا چمکے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ موتی ہیرے انمولے وہ لعل زمرّد کے ڈبے
وہ کلے بٹے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے محلوں بیچ پڑے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پاؤں تلک زیور پہرے
وہ کنچن جھول جھلکتی کے انباری جن پر اور ہودے
وہ گھوڑے گلگوں مشل ہوا زر دوزی جن پر زین بندھے
چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
رتھ بہلیں اور گڑ بہلیں وہ ٹھاٹھ سے چمکتے جن کے تھے

وہ رنگیں جھالردار رتھیں وہ بیل بہت جن کے اونچے
یہ ٹھاٹھ رکھا دروازے پر اور بغدی بوجھ اُٹھانے کے
تھے جتنے شادی بیاہ نمت سامان جو واں تیار ہوئے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سوا نبار ہوئے

نظیر اکبر آبادی

۸۴- دُلھن کی رخصت

جب ڈیوڑھی سے چنڈول بڑھا دروازے پر سو خوبی سی
نوچھاور رانی کی اُس پر کل موتی پھول زری بکھرے
اُس وقت بہت خوش وقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
وہ خوبی قسمت چار طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
اسواری دولھا کی آگے چنڈول دُلہن کا تھا پیچھے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
اسباب شئے جو راجہ نے تھے اُن کے جاتے اونٹ لدے
وہ جتنے تیرا پیری تھے سب رتھ اور میانوں میں بیٹھے

وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب انباری زین جھلکتے تھے
اِس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
غل شور خوشی کے چار طرف سب دیکھیں واں وہ ٹھاٹھ بڑے
جس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے
پھر ویسی ہی خوش وقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہونچے

نظیرؔ اکبرآبادی

۸۵- مجمع احباب

خوش گزرتے تھے اس طرح ایّام — عیش رہتا تھا صُبح سے تا شام
جمع رہتے تھے بزم میں وہ حسیں — نہ ہوئے ہیں نہ ہونگے کہیں
خوبرو کوئی نازنیں کوئی — مہروش کوئی مہ جبیں کوئی
شوخ چالاک خوش مزاج ذہین — سن جوانی کا سب کے سب شوقین
خوشنما خوش مزاج خوش اسلوب — ایک ایک اپنے طرز پر محبوب
آشنا دوست سب کے سب ہمراز — خوش بیاں کوئی کوئی خوش آواز

شہرہ پایا تھا خوش حمالی سے | سب کے سب خاندانِ عالی سے
شوخ ہر ایک کی طبیعت تھی | طرفہ یادش بخیر صحبت تھی
شوق ہر ایک فن کا رہتا تھا | چرچا شعر و سخن کا رہتا تھا
کھانا بے دلّگی نہ پچتا تھا | میلا ٹھیلا کوئی نہ بچتا تھا
روز رہتا تھا لطفِ سیر و شکار | شب کو بجتی تھی بین دن کو ستار
وضع کی سب کو گو تھی پابندی | پر نہ بچتی تھی کوئی نوچندی
دوست جتنے تھے رہتے تھے ہمراہ | کربلا میں کبھی کبھی درگاہ
رہتا تھا تیرھویں کا حلیہ یاد | شام سے جاتے تھے حسین آباد
لوگ پہلے سے واں پہ جاتے تھے | فرش تالاب پر بچھاتے تھے
صحبتِ عیش گرم رہتی تھی | کچھ نہ آپس میں شرم رہتی تھی
رات ہنس بول کے گزارتے تھے | صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے
ہوش باقی نہ رہتا تھا تن کا | آتا تھا جب مہینہ ساون کا
دل کے ارمان سب نکالتے تھے | جھولے باغوں میں جا کے ڈالتے تھے
جمع ہوتے تھے سینکڑوں محبوب | خوش گلو خوش مزاج خوش اسلوب
لذّتِ زندگی اٹھاتے تھے | ہنستے تھے گاتے تھے بجاتے تھے

خوش گلو جب کہ تان لیتے تھے — دل تو کیا چیز جان لیتے تھے
پُرزے پُرزے اُڑاتے تھے دل کے — کوکتے تھے مثال کوئل کے
لطف صحبت کا جو اُٹھاتے تھے — بن بُلائے سب آپ آتے تھے
جمع ہونے لگے جو غیرتِ حُور — صُحبت اپنی بھی ہو گئی مشہور
دیکھ بے طرح ہم فقیروں کو — رشک آنے لگا امیروں کو

حق تو یہ ہی کہ جائے حیرت تھی
کچھ عجب نکھری صحبت تھی

مرزا شوق

۸۶ — میلے کی سیر

آج میلے کا یاں جو ہی ساماں — آئے ہیں دُور دُور سے انساں
کوئی درشن کو ہی دعائیں مان — سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھل رہے گل و ریحان — ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
بھیڑ انبوہ غُل دکان دکان — اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن
رنگ ہر روپ ہی جھمیلا ہی — زور بلدیو جی کا میلا ہی

جلد دوم

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں   آکے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں   اپنے دل کی مرادیں پاتے ہیں
جانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں   اس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں   سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب ہے اعلیٰ   اس کا گنبد ہے عالمِ بالا
ہو رہا جھانکیوں کا اجیالا   پڑتے جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا   کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا   کوئی "جے جے" کرے ہے دھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں   گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
نقلیں قصے کہانی ساکے ہیں   کھنڈ دوہرے کبت کتھاکے ہیں
آرتی کی کہیں مچی ٹھن ٹھن   کہیں گھنٹوں کی ہو رہی ٹن ٹن

تال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن   خاص پرشاد مصری اور ماکھن

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ   جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہی جا
ے کے مندر کے دو دو کوس لگا   باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا   لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
بھیڑ انبوہ اور دھرم دھکّا   جس طرف دیکھئے اہا ہا ہا

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

ہیں ہزاروں ہی جنس کی ہٹّے   موتی مونگا اور آرسی بٹّے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹّے   کولے نارنگی سنگترے کھٹّے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹّے   کوئی چڑھتا ہی کھیر کے چٹّے
پر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹّے   بوڑھے لڑکے جوان اور کٹّے

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

جلد دوم

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار اپنا سب گرم کر رہے ہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار نوگری پوتھ انگوٹھی چھلّے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار جس گنواری کو چلیئے دھکّا مار
گر کے دے گالی یوں کہے ہی پکار "کیسو اٹھلا پے چلے ہی داری جار"

. رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر کوئی لیوے ہی کوئی دیوے پھیر
کوئی کمہاری کے کر رہا ہتھ پھیر کوئی کاچھن کے چُن رہا ہی بیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منھ پھیر کوئی بنئے کو مارتا ہے سیر
گالی ڈگ مار کوٹ سانجھ سویر لاٹھی پاٹھی ہی شور و غل اندھیر

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

نظیر اکبرآبادی



۸۷- محرّم کا اکھاڑہ

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار
یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اُلو الابصار

کہ اب کے ماہِ محرّم کی ساتویں تاریخ
گیا جو گھر سے قضا را بجانبِ بازار

تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں اک اکھاڑہ ہے،
اور اتنی بھیڑ کہ جس کا نہیں حساب و شمار

ہیں دو حریف مقابل لیے پھری گتکا
ہر ایک فنِ پھکیتی میں طاق اور طرّار

جو اس نے پاؤں بچایا تو اُس نے سر تاکا
دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار

عجیب ٹھاٹھ نئے پیترے غضب پھرتی
نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھ کر چکّر
کھڑا ہے ایک لیے سیف لڑ رہا ہے گوہار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے،
مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار

یہ کھیل محض نکمّا ہے بلکہ بیہودہ
جو دیکھتا ہے سو ہنستا ہے زیرِ لب ناچار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں
نہ وہ زمانہ رہا اب نہ صورتِ پیکار

کہاں ہیں اب وہ دلیرانِ صف شکن باقی
کہ ان فنوں پہ جو ہوتے تھے جان و دل سے نثار

ہزار سے نہ دبے لاکھ سے نہ مُنہ موڑا
جو ڈٹ گئے کسی میداں میں کھینچکر تلوار

نہ اب بکیت کو پوچھے کوئی نہ راوت کو — نہ تیر ہے نہ کماں ہے نہ بانک ہے نہ کٹار جلد دوم
نہ اس کمان کی پرسش نہ اس ہنر کی قدر — نہ جنگ کا یہ طریقہ رہا نہ یہ ہتھیار

نہ جس میں دین کا ہو فائدہ نہ دنیا کا
تو پاس پھٹکے نہ اس کام کے کوئی ہشیار

اسمٰعیل

۸۸- دلّی دربار

سنہ ۱۹۰۳ء

سر میں شوق کا سودا دیکھا — دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا — کیا بتلائیے کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو باؤ صافی — شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی — خیر اب دیکھئے لطفِ قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پہ مردی دیکھی کچھ چہروں پہ زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی
دھر کی رنگا رنگی دیکھی



اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
منھ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
دل دریا رسے اٹکا دیکھا



ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
زرّیں جھولیں نور کا عالم
میلوں تک وہ چھم چھم چھم چھم



پر تھا پہلوئے مسجد جامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
سب کے سب تھے دید کے طامع



سرخی سڑک پہ کٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی



جلد دوم

چوکی اک چو لکھی دیکھی | خوب ہی چکھی بکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی | شہد اور دودھ کی بکھی دیکھی



ایک کا حصّہ من و سلوے | ایک کا حصّہ تھوڑا حلوے
ایک کا حصّہ بھیڑا اور ملوے | میرا حصہ دور کا جلوے



اوج بھی برٹش راج کا دیکھا | پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا | رُخ کرزن مہاراج کا دیکھا



پُہنچے پھاند کے سات سمندر | تحت ہیں اُن کے بیسوں بندر
حکمت و دانش اُن کے اندر | اپنی جگھ ہر ایک سکندر



اوجِ بخت ملاقی اُن کا | چرخِ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا | آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں   ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
اُن کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں   سب سامانِ عیش و طرب ہیں

ع

اگزبشن کی شان انوکھی   ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
اُقلیدس کی ناپی جوکھی   من بھر سونے کی لاگت سوکھی

ی

جشنِ عظیم اِس سال ہوا ہی   شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہی   قصّہٗ ماضی حال ہوا ہے

۸۸

ہی مشہورِ کوچہ و برزن   بال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن   رشک سے دیکھ رہی تھی ہرزن

ﻧ

ہال میں چمکیں آکے یکایک   زرّیں تھی پوشاک جھکاجھک
محو تھا ان کا اوج سماتک   چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

ہ

گورقاصہ اوجِ فلک تھی | اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اِندر کی محفل کی جھلک تھی | بزمِ عشرت صبح تلک تھی



کی ہے یہ بندش ذہنِ رسا نے | کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے | جس نے دیکھا ہو وہ جانے

اکبر

۸۹- دہلی دربار

سنہ ۱۹۱۲ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار | حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مکین اور مشین | پھول اور سبزہ چمک اور روشنی اور ریل تار
کیروسین اور برق اور پیٹرولیم اور تارپین | موٹر اور ایرو پلین اور جھمگٹے اور اقتدار
مشرقی تیلوں میں تھی خدمتگزاری کی امنگ | مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپریل | زینت و دولت کی دیبی امپریس عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں | ٹمر کی امواج جمنا سی ہوئی تھیں ہمکنار

انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے | تھی پئے اہلِ بصیرت باغِ عبرت میں بہار۔ جلد دوم
ذرّے ویرانوں سے اُٹھے تھے تماشہ دیکھنے | چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریق و انتظام | حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہِ نازِ فاتحانِ ہند | حدِّ قانونی کے اندر آزملوں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا | فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں انعام اسپیچیں قواعد فوج کیمپ | عزّتیں خوشیاں اُمیدیں احتیاطیں اعتبار

پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنیس پھر اہلِ جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب پیچھے اِن کے خاکسار

اکبر

۹۰ - مراجعتِ وطن

بارے آئی نجات کی باری | کھُل گیا عقدۂ گرفتاری
کوچ ٹھہرا مقامِ غربت سے | اب وطن چلنے کی ہے تیاری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت | اشکِ شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہازِ دودی پر | اُٹھتے ہیں لنگرِ گرانباری

السّلام اے خروشِ بحرِ محیط | الحذر اے سفینۂ جاری
سامنے ہر طرف سمندر ہے | سایۂ آسمانِ زنگاری
ہمسفر قافلے ہیں موجوں کے | خضر اور نوح کی ہے سالاری
دن کو خورشید کی زر افشانی | رات کو اوس کی گہرباری
پانی کے اُٹھتے ہیں بلند پہاڑ | اس پہ آتی ہے موج کی باری
پانی پہ چڑھ کے پانی بہتا ہے | قدرتِ حق کی ہے نموداری
نکلے دریائے شور سے صد شکر | بحرِ شیریں کی آگئی باری

نظر آیا سوادِ کلکتہ
شکر ہے شکر حضرتِ باری

منیٰ

۹۱۔ سفرنامہ

یارو توفیق ٹک تو سر کو دھنو | یہ بھی اک سانحہ ہے میرا سنو
ہم کو در پیش تب سفر آیا | جب کہ برسات سر ہی پر آیا
ابر ہونے لگے سفید و سیاہ | پانی رستوں میں تھیج ساری راہ

سب کی دریا پہ ہو کے راہ پڑی پانی کی سطح پر نگاہ پڑی
ہوش جاتا تھا دیکھ جوشِ آب گوش کرتا تھا گر خروشِ آب
آب تہ دار اور تیرہ بہت لہر اٹھتی جو تھی سو خیرہ بہت
پانی پانی تھا شور سے طوفان دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان
ناؤ میں پاؤں ہم نے بارے رکھا خوف کو جان کے کنارے رکھا
جب کہ کشتی رواں ہوئی واں سے جسم گویا کہ تھا تہی جاں سے
کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم ناخدائی خدا نے کی اس دم
ریلا پانی کا جب کہ آتا تھا خوف سے جی ہی ڈوبا جاتا تھا
خطرِ غرق سے تھی طاقت طاق بیخودی سے ہوا تھا استغراق
بدبلا سے تھے ہمکنا رہوئے تھا خدا ہی جو بھلے پار ہوئے
کسو درویش کا تھا یمنِ قدم جا کے پہنچے جو اس کنارے ہم

ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا
گوہرِ جاں سے ہاتھ دھویا تھا

پار کا گنج تھا جو شاہ درا سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا
فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ راہ یاں سے وہاں تلک سب کیچ

جلد دوم

تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز | پہونچے واں شام کھینچ رنج دراز
جا کے حیراں ہوئے کدھر جائیں | سر گھسیڑیں جو ٹک جگہ پائیں
تگ و دو ہر طرف لگے کرنے | تسپہ پڑتے تھے مینھ کے بھرنے
کوئی میداں میں کوئی چھپر میں | کوئی در میں کوئی کسو گھر میں
گھر ملا صاحبو کو ایسا تنگ | جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ

بیٹھنے دیں نہ جب کہ صاحب کو
کون پوچھے نفر مصاحب کو

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے سرا پائی | ویسے گھر چھوٹے دیسی جا پائی
رہنا بھٹیاری کا غنیمت جان | جو کہا اس نے ہم گئے سب مان
کچھ پکانے کا جب سوال کیا | میں نے اظہار اپنا حال کیا
یاں جو لائے ہیں مجھ کو اپنے ساتھ | زندگانی مری ہی ان کے ہاتھ
پہونچے ہی ان کے در سے طعام | صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام
جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے | کچھ رہا سو اٹھا دیا میں نے
سن کے اک دل سی کھینچی اس نے آہ | اور بولی کہ واہ صاحب واہ
ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے | چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے

کچھ یہ کھا دینگے کچھ کھلا دینگے — ہم کچھ ان کے سبب سے پا دینگے
سو تو نکلے ہو کورے بالم تم — ہو گدا جیسے شاہ عالم تم
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات — دیکھئے کس طرح سے گزرے رات
صدقے ہیں ایسے بھی اُتاری کے — سو گئے بخت گھر ہمارے کے
میں کہا مہترانی جی کچھ لو — مجھ سے آزردہ دل نہ آتی ہو
بعضے کھاتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں — بعضے مجھ سے بھی آتی جاتی ہیں

بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام
صبح کو صاحبوں کو ٹھیرا مقام

یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوچ — غازی آباد کو گئے سب پوچ
صاحب اُترے حویلی میں آکر — باغ میں اُس کے سب نفر جا کر
واں سے میرٹھ سبھوں کی تھی منزل — بیچ پانی اگرچہ تھا حائل
گرتے پڑتے پہنچ گئے سارے — ہم جفائے سپہر کے مارے
واں ڈلا ور تنگ پھر واں سی — جا کے واں تنگ آ گئے جاں سے
اک گھڑی بود و باش کو پائی — کچھ نہ کھانے کو جس میں نہ کھائی
چھوٹی پھاٹی سی چار دیواری — اور میدان تھی گڈھی ساری

پھر نہ میدان بھی برابر تھا ہر قدم ایک غار دھپڑ تھا
کھنڈرے اُس میں تین چار مکان جن کا گرنے پہ سخت ہی میلان
وہ گڑھی ساری کھیتی ناج کی تھی برسوں سے تھی پڑی نہ آج کی تھی
وہ رہے جو رہے بہت سے لوگ یا کوئی جوگی جو کمے واں جوگ
ورنہ مشکل بہت ثباتِ قدم دل میں اک ہول ہی رہے ہر دم

با دسے دن جو سائیں سائیں کرے
رات ہووے تو بھائیں بھائیں کرے

کتوں کے چار اور رستے تھے کتے ہی واں کہیے تو بستے تھے
سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک شور عف عف سی آفت آئی ایک
گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
جب کہ ہڈی پہ چار چار لڑیں گوشت پر بھیڑیے سی دوڑ پڑیں
ایک نے ایک دیگچی چاٹا ایک آیا سو کھا گیا آٹا
اک طرف ہی چپڑ چپڑ کی صدا یعنی کتا ہی چپکی چاٹ رہا
ایک کے منہ میں ہانڈی ہی کالی ایک نے چھلنی چاٹ ہی ڈالی
تیل کی کپی ایک لے بھاگا ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا

ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا — پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا
گھور نے اک لگا اندھیرا کر — ایک نے اور ایک پھیرا کر
گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیئے — ہانڈی باسن گرا کے پھوڑ دیئے
جھڑجھڑا وے ہی کان کو کوئی — رووے ہی اپنی جان کو کوئی
لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں — لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں
سر پہ دربان کے بلا ہی رہے — کتا اک آدھ گھر میں جا ہی رہے
منہ میں کف دور دور کرنے سے — حال بے حال شور کرنے سے
تو کہے سن کے وہ گلا پھاٹا — یا وے کتے نے اسے کاٹا
جاگتے ہو تو دو بدو کتے — سو کر اٹھو تو رو برو کتے
باہر اندر کہاں نہ تھے کتے — بام و در چھت جہاں تہاں کتے

یا رو کتے کی جان کا تھا روگ
جاں بلب ہوں نہ کس طرح سے لوگ

بستی دیکھی تو ایسی تھی آباد — کہ بیابان سخت سے دے یاد
چار چھپر کہیں چماروں کے — سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے
پھر جو آگے گئے تو نہیں ہے کچھ — ڈھیر سا اور جو کہیں ہے کچھ

پھوٹی ٹوٹی کوئی حویلی ہے سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مُردے سے پڑے ہیں وہاں زرد زرد ہو گئے ہیں نیلے لب ناں
اور جو چار گھر نظر آئے ان کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی گویا چار تھے کوئی فاقوں کے زیرِ بار تھے کوئی
اِس سے آگے بڑھے تو جھونپڑے اُجڑے بچھڑے انھوں کے کچھ گھر تھے
صورتیں کالی کالی سوکھے سے سارے کنگال اور بھوکے سے
اور آگے گئے تو تھا بازار اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار
ایک کے پاس دال کچھ آٹا تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا
ایک کے پاس جو کچھ اور چنے چھبڑوں میں خاک دھول ایک کنے
چوتھا باقی رہا سو تھا کنگال نام کو کہتے ہیں اسے بقّال
ایک کنجڑے پہ چار گٹھے پیاز تس پر اُس کو ہزار فخر و ناز
کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی اس مچھندر میں کچھ تو بھدرک تھی
ایک دوکان تھی پساری کی اس نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
اِس سے جا کر جو مانگے ہلدی زرد مٹی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے بس تم اس بستی میں مہاجنی رہے

یاں جو کچھ ہے چلن وہ دیتا ہوں | میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں
ناگوا اس سے جو مرچ یا دھنیا | دیوے تو کیسا وہ بجا دھنیا
اِس میں دو دانے اور سب کنکر | دیجے کاغذ میں ہاتھ لمبا کر
لونگ چوراب نفر سے منگوایا | لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا یہیں سے کریئے قیاس
آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس

آس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل | کم برسات میں طرح مسیل
اِس سے واں کی ہوا بہت مرطوب | ہووے نزلہ زکام بے اسلوب
کتنے زوروں میں ہوتی ہے کھانسی | ایسی جیسے گلے میں دی پھانسی
کیا کہ ڈھب چرخ کج نے پھینکا تھا | پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا
جس نے قدرت نمائی کی اپنی | اس بلا سے رہائی کی اپنی
بدزبانی کا مجھ کو کب ہے دماغ | ایسی باتوں سے میں کیا ہے فراغ

ہو چکی صاحبوں کی فرمایش
چپ رہ اب ہے زمانِ آسایش

۹۲- چور گردی

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب — روز محشر کی دھوم ہی ہر شب
آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے — چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہی
کتے آہٹ سے اُن کی بھونکتے ہیں — ڈر سے خوابِ عدم سی چونکتے ہیں
آسماں پر بھی منعدم ہی خواب — کھلا رہتا ہی دیدۂ مہتاب
بزم میں سب ہر ایک پیر و جوان — بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں

شام سے صُبح تک یہی ہی شور
دوڑیو گٹھری لے چلا ہی چور

سودا

۹۳- شہزادے کے گم ہونے پر ماتم

ندامت سے ذلت سے اکراہ سے — جو گزرا تھا آکر کہا شاہ سے
کہا بید ھڑک یہ جو کمبخت سے — تو غش کھا کے وہ گر پڑا تخت سے
دیا پھینک سر سے اُٹھا اپنے تاج — کہا مٹ گئی سلطنت میری آج

کہا رو کے لُٹ گئے مرے آج بخت — نہ باقی رہا وارثِ تاج و تخت
گھڑی بھر نہیں دل کو آرام ہے — مجھے بادشاہت سے کیا کام ہے
یہی دل میں آتی ہے سن اے وزیر — کہ ہو جاؤں کفنی پہن کر فقیر
وزیروں نے پھر عرض کی اے جناب — ہمارا بھی اس غم سے ہے دل کباب

اک اتنا تو بس ہے کہ رویا کریں
یہ مرضی ہے اللہ کی کیا کریں

سنا شاہزادے کو جو گم ہوا — عجب اک محل میں تلاطم ہوا
کیا ماں نے اس غم میں اپنا یہ حال — دئیے کھول گھبرا کے سب سر کے بال
گرا غم کا سُنکر کسی پر پہاڑ — کسی گل نے گلشن میں کھائی پچھاڑ
کوئی بولی ہے ہے یہ کیا ہو گیا — کہ شادی میں ماتم بپا ہو گیا
کوئی خاک پر کوئی بیہوش ہے — کوئی بیٹھی از خود فراموش ہے
کوئی چپکے آنسو بہانے لگی — کوئی خاک سر پر اڑانے لگی

کسی کا ہوا چہرہ اس غم سے زرد
کسی کے جگر میں ہوا اٹھ کے درد

کھڑی کوئی یوں مانگتی تھی دعا — بحقِ محمدؐ حسن اے کبریا

فزوں شاہزادے کا اقبال ہو
کہ بیکا نہ اس کا کوئی بال ہو

کوئی بولی آئے جو وہ مہ لقا
تو گونڈا کروں پیر دیدار کا

تھا جاری کسی کے یہ منھ پر سخن
کہ حامی ترے تن کے ہوں پنجتن

خبر آئے گر یاں ترے پاس کی
کروں حاضری حضرت عباس کی

کوئی بولی اس کی خبر میں جو پاؤں
اسی وقت بی بی کی پڑیا منگاؤں

کہا اک نے آئے جو وہ مہ لقا
کروں اپنے اللہ کا رت جگا

دکھائے جو شکل اپنی آکر ابھی
بھروں طاق مسجد کا جا کر ابھی

میر حسن

۹۴-میدانِ جنگ

مہاراجہ پرتھی راج اور سلطان شہاب الدین غوری کی پہلی معرکہ آرائی نہر سرستی پر

لگی چلنے باہم چھری اور کٹار
ہوئے سر تنوں پر ہزاروں نثار

پڑا زن سے خنجر پڑی سن سے تیغ
ہزاروں ہی کشتہ ہوئے بیدریغ

جواں زخم پر زخم کھانے لگے — شجاعت کے جوہر دکھانے لگے
کسی نے رنگے خون میں اپنے ہاتھ — عدم کو گیا کوئی آقا کے ساتھ
زمیں پر تھا کشتوں کا پشتہ بندھا — ہر اک سمت تھا خوں کا دریا بہا
بدلنے لگا جب لڑائی کا طور — کیا اپنے لشکر پہ راجہ نے غور
یکایک بڑھی ہاتھیوں کی وہ صف — جواں نکلے پیچھے سے تیرہ بکف
وہ تھے قوم کے سب کے سب راجپوت — وہ بانکے دلاور بہادر سپوت
گرے فوجِ شہ پر وہ سب ایک بار — ہوئے قلب تیروں سے دونوں کے فگار
کمانوں نے گوشے لئے اپنے موڑ — دیا تیروں نے اپنے ترکش کو چھوڑ
جو افغاں تھے فوراً وہ پیچھے ہٹے — اُدھر ہاتھیوں نے بھی گھٹنے ٹیکے
لڑائی کا جب تک ہوا بندوبست — ہوئی فتح سے شاہ کی ہمت شکست
شکستہ ہوا میمنہ میسرہ — ہوا قلب کی فوج کا فیصلہ
لڑائی سے تیروں کی عاری ہوئے — بھگوڑے رسالے فراری ہوئے
نہ مطلق ہوا شاہ غازی ملول — گھرا ایسا تھا جیسے کانٹوں میں پھول
نظر کھانڈے راؤ کی اس پر پڑی — سپہدار کی آنکھ اُس سے لڑی
سپہدار نے بھی بجرأت تمام — کیا رستمی کا وہاں پر قیام

دیا ہاتھی کے مُنھ میں نیزہ لگا | حریفوں کو دی اپنی جرأت دکھا
کیا کھانڈے را اُونے پھر آسپ وار | تو شانہ نشانہ بنا ایک بار
نہایت ہی سخت اُس کو پہنچا گزند | جھکا اپنے گھوڑے پہ وہ ارجمند
مدد غیب سے اُس کی فوراً ہوئی | یکایک غلام آن پہونچا کوئی
لیا اپنے مالک کو فوراً سنبھال | کسی پر نہ ہرگز کھُلا اس کا حال

سپہدار کا پھر نہ پایا نشاں
نہ آیا نظر کوئی غزنیں جواں

راحت

۹۵۔ معرکۂ جنگ

(شجاع الدولہ اور رحمت خاں کی لڑائی)

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں | آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار
تھی سامنے ہمارے جو فوجِ مرادلی | ہونگے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار
سُنتے ہیں اب سرا ایسے اس فوج کے یہی | سرکردہ تھے سمیت ز نگی کے پانچ ہزار
محبوب اور بسنت و لطافت تھے ایک طرف | یکسو تھا میر سید علی مستعدِ کار

جلد دوم

لیکن اُنھوں کو آدمی کہیے کہ دیو دد
اُن کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار

ادھر سے بان و رہکلہ و توپ متصل
پڑتی تھی پر وہ بڑھتے ہی آتے تھے سرگذار

بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپ داغنے
اِس پلے پر جہاں سے جزائر کی ہوئے مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

تھیں کرتیاں تلنگوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار

توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن
رنجک مثالِ برق چمکتی تھی بار بار

گجنال مثل رعد کے کھڑکے تھی دمبدم
آواز شترنال تھی طاؤس کی جھنکار

فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار

ہر ایک جا ہی نظر آیا ہر ایک کو
گھوڑا ادھر جو تڑپے ہی ادھر پڑا سوار

نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا تھا نہ جینے کا کچھ بچار

یاد رہی کیجو اِس کو تو اے یار اس گھڑی
آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اقتدار

جیدھر کو جس کا منھ اُٹھا اودھر کو وہ چلا
سوجھے بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار

سودا



۹۷- آگرہ اور تاج محل

اے آگرہ کی سرزمیں ہے تو بھی فردوسِ بریں
نازاں ہے تیرے دور میں ہندوستاں کی سرزمیں
ہر صفحہ تیرا دلربا ہر نقش تیرا دلنشیں
تیرے عماراتِ کہن دیرینہ شوکت آفریں
تیرے حوالے میں نہاں ہیں کیسے کیسے مہ جبیں
اکبر سا سرور ذی حشم اکبر ہیں جس میں جاگزیں
اب تو ہی ان کو ڈھونڈ لا ہم کو تو وہ ملتے نہیں
وہ روضۂ کیواں نشاں نقشِ بہشتِ عنبریں
وہ نقش دیوار و خیمہ سنگیں ترا حصنِ حصیں
قبر اعتماد الدولہ کی اک طبقۂ خلدِ بریں
وہ سنگ مرمر کی حجاب جیسے عذارِ حورِ عین
دنیا میں ہے تو اس طرح خاتم پہ ہو جیسے نگیں
اور وہ نگیں بھی ضوفگن جس میں تجلّی موجزن

اے یادگارِ رفتگاں — اے روضۂ جنت نشاں
اے روضۂ گردوں حشم — اے جنتِ ہندوستاں
ہر گوشہ گوشہ تیرا ہی — آرام گاہِ قدسیاں
ڈھالا ہی سانچے میں تجھے — اے مرقدِ شاہِ جہاں
اے قبر تیری گود میں — سوتا ہی اک خلد آشیاں
تیرے نگینے کے بتاؤں — جیسے فروغِ کہکشاں
جیسے ستاروں کی جوت — یوں تیری پرچیں سازیاں
ہر کتبہ سے ہی جلوہ گر — طغرائے لوحِ کن فکاں
افشاں رخِ قدرت پہ ہی — یا ہیں منبت کاریاں
وہ جالیاں ہیں دلربا — یا چشمکِ حورِ جناں
آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں — ایسی تجلی کا مکاں
بس بس عزیزِ نکتہ رس — کب تک رہو گے در فشاں
ہی منحصر نظارہ پر — اس کی حقیقت کا بیاں

سرمایۂ صد ناز ہے
روضہ ہے یا اعجاز ہے

عزیز لکھنوی

۹۷۔ تاج محل آگرہ

روضہ جو اِس مکان میں دریا کنار ہے خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

سنگِ سفید سے جو بنا ہے تمر نشاں ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

دروازہ پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار ہر گوشہ پر کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں طرف سے اوج کی خوبی دوچار ہے

برسوں تک اس میں رہیئے تو ہووے نہ جی اداس آتی ہے ہر طرف سے گُل و یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہر سُو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف صبا ہلتی ہیں ڈالیاں بھی ہر گُل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجومِ بہار ہے

راہیں وسیع طی سے بھرے ہیں چمن چمن گُلنا رلالہ و گُلِ نسرین و نسترن
فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

ہے چھاؤں مولسریوں کی سبزا ہرا بھرا — گل کھل رہے ہیں حوض میں پانی چھلک رہا
ہر جا صدائے بلبل و صوتِ ہزار ہے

جو دیکھتا ہے اس کو یہ ہوتا ہے دل پذیر — تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیرؔ
اس کی صفت تو مشتہرِ روزگار ہے

نظیرؔ اکبرآبادی

۹۸- ریل گاڑی

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پری ہے — سینہ میں اس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے
کھاپی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے — سر سے دھواں اڑا کر غصہ اتارتی ہے
وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اک سپاٹا — ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اس نے کاٹا
آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غل مچاتی — وہ اپنے خادموں کو ہے دور سے جگاتی
بے خوف بے محابا ہر دم رواں دواں ہے — ہاتھی بھی اس کے آگے اک مورِ ناتواں ہے
آندھی ہو یا اندھیرا ہے اس کو سب برابر — یکساں ہے نور و ظلمت اور روز و شب برابر
اُتر سے لے دکن تک پورب سے لے پچھاں تک — سب ایک کر دیا ہے پہنچی ہے یہ جہاں تک
ہر آن ہے سفر میں کم ہے قیام کرتی — رہتی نہیں معطل پھرتی ہے کام کرتی

پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں — ڈالی ہی جان اس نے سوداگری کے تن میں
ہر چیز سے نرالی ہی چال ڈھال اس کی — پاؤ گے صنعتوں میں کمتر مثال اس کی
برکت سے اس کی بے پر پرّاں بن گئے ہیں — ملک اس کے دم قدم سے گلزار بن گئے ہیں
ہم کہہ چکے مفصّل جو کچھ ہی کام اس کا — جب جانیں تم بتا دو بن سوچے نام اس کا

جی ہاں سمجھ گیا میں پہلے ہی میں نے تاڑی
وہ دیکھو آگرہ سے آتی ہے ریل گاڑی

اسمٰعیل

۹۹ پن چکّی

نہر پر چل رہی ہی پن چکّی — دُھن کی پوری ہی کام کی پکّی
بیٹھتی تو نہیں کبھی تھک کر — تیرے پہیّہ کو ہی سدا چکر
پانی ہر وقت بہتا ہی ڈھل ڈھل — جو گھماتا ہے آ کے تیری کل
کیا تجھے چین ہی نہیں آتا — کام جب تک نبٹ نہیں جاتا
مینھ برستا ہو یا چلے آندھی — تو نے چلنے کی شرط ہی باندھی
پیسنے میں نہیں لگی کچھ دیر — تو نے جھٹ پٹ لگا دیا اک ڈھیر

لوگ لے جائینگے سمیٹ سمیٹ — تیرا آٹا بھریگا کتنے پیٹ
بھر کے لاتے ہیں گاڑیوں میں اناج — شہر کے شہر ہیں ترے محتاج
تو بڑے کام کی ہے اے چکی
مجھ کو بھاتی ہے تیری لے چکی

اسمٰعیل

۱۰۰۔ تلوار

اِک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی اُس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جہاں ابر تو واں برق — منہ زہر برش قہر دہن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو
اُٹھ کر کبھی ٹھیری کبھی لچکی کبھی جھپکی — سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی — سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گرونکی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھار سرونکی

جلد دوم
تھا صورتِ آئینہ تمام اُس کا بدن صاف — خوں پیتی تھی پر دیکھو تو مُنھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن تو نکلتا تھا سخن صاف — ہوں میں تو وہ جاذب کہ کر دیتی ہوں تن صاف
نا اہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

خم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی — مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
شوخی تھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی — تھی تیغ کہ قبضے میں سلیماں کے پری تھی
اِک آگ لگی وار جدھر چل گیا اس کا
جو آگیا سایہ میں بدن جل گیا اس کا

انیسؔ

۱۰۱- تلوار

یاں شور وہاں غل ادھر آئی ادھر آئی — وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی
وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی — گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی
سِن اس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
مُنھ کی وہی کھاتا تھا جو منھ اُس کے چڑھا تھا

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی
شانہ پہ جو پڑی تو جگر سے نکل گئی
سینے میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی
حیراں تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی
اونچی ہوئی تو فرقِ عدو کو فرو کیا
گر کر اٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

دبیرؔ

۱۰۲۔ عجیب چڑیا

چڑیا ہم نے عجیب پالی ہے
زنجیر اُس کے گلے میں ڈالی ہے
دن رات ہو شام یا سویرا
لیتی ہے وہ جیب میں بسیرا
چڑیا سے بھی قد ہے اس کا چھوٹا
ہے اس کا بدن تمام پوٹا
پوٹے پہ جو غور سے نظر کی
پوٹا نہیں پوٹ ہے ہنر کی
گویا ہے اگرچہ بے زباں ہے
ناداں ہے مگر حساب داں ہے
دانہ پانی نہیں وہ کھاتی
ہر دم ہے خوشی سے چہچہاتی
دن رات میں چھیڑ دو کسی آن
یہ چھیڑ ہے اُس کے جسم کی جان
جب تک جیتی ہے جاگتی ہے
لو کام تو چیز کام کی ہے

کہتی ہی کہ وقت کی خبر لو — جو کچھ کرنا ہی جلد کر لو
غفلت کیجئے تو ٹوکتی ہے — عجلت کیجئے تو روکتی ہے
اس طور سے کرتی ہی گذارا — انڈے دیتی ہی دن میں بارہ
پھر اتنے ہی رات کو ہے دیتی — دیتے ہی ہر ایک کو ہے سیتی
انڈے ہیں تمام اس کے بچّے — اِک ایک سے نکلے ساٹھ بچّے
ہر بچے نے اُگلے ساٹھ دانے — ہر دانہ میں ہیں بھرے خزانے
جو دانہ گرا سو ہو گیا گم — ڈھونڈا کرو پھر نہ پاؤگے تم
دانہ کی بتاؤ کیا ہے قیمت — دانا سمجھیں اسے غنیمت
جس نے اسے پا لیا کہا واہ — کیا بات ہی تیری بارک اللہ
سچ مچ تو لعلِ بے بہا ہے — گویا ہر درد کی دوا ہے

القصّہ عجب ہی وہ پرندہ
مُردہ اِسے ہم کہیں نہ زندہ

اسمٰعیل

(احقر العباد ثریا رقم علیگڈھی)

ضمیمہ
جلد دوم

مناظرِ قدرت

جلد دوم
ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائینگے تو باعثِ مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کُل حالات مکمل ہو جائینگے۔

۱۔ آزاد۔ سیّد محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات سنہ ۱۹۱۰ء مدفن لاہور | صفحہ

(۲۴) جاڑا اور گہر - - - - - - - - ۲۷

ضمیمہ جلد دوم صفحہ

۲ - اسمٰعیل - مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

۳- اکبر- سید اکبر حسین صاحب

ولادت سنہ ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد

۴- انشا- انشاء اللہ خاں مرحوم

ولادت ۰ وطن دلی وفات سنہ ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

۵- انیس- میر ببر علی مرحوم

ولادت سنہ ۱۲۱۶ھ وطن دلّی وفات سنہ ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

ضمیمہ جلد دوم

۶- اوج - محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن گیا

۷- باسط - ماسٹر باسط علی صاحب بسوانی

ولادت وطن

۸- بسمل محمد عبد الرحمن صاحب

ولادت وطن وفات مدفن

۹- چکبست - منشی برج نراین صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

صفحہ ضمیمہ جلد دوم

صفحہ

۱۵- سحر منشی اقبال بہادر ورما

ولادت وطن

۱۶- سرور منشی درگا سہائے آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

۱۷- سفیر

ولادت وطن

۱۸- سودا مرزا محمد رفیع مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلّی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

ضمیمہ	صفحہ	
جلد دوم	۶۴	(۵۴) مریل گھوڑا - - - - - - - - -
	۱۳۲	(۹۲) جور گردی - - - - - - - -
	۱۳۶	(۹۵) معرکۂ جنگ - - - - - - - -

۱۹- سید شاہ محمد اکبر صاحب

ولادت • وطن

(۷۰) انسان - - - - - - - - - -	۸۶

۲۰- شاعر آغا شاعر قزلباش صاحب

ولادت • وطن دہلی

(۷۲) ایک صبح کی عبادت گزار - - - - - - - -	۹۱

۲۱- شاکر منشی پیارے لال صاحب

ولادت وطن میرٹھ

(۱۹) جنگل کی برسات - - - - - - - - - - - -	۱۹
(۴۴) کنول کا پھول - - - - - - - - - - - -	۵۲

۲۲- شرر- منشی کندن لال صاحب

ولادت وطن سہارنپور-

صفحہ

۲۳- شوق محمد عبدالعزیز صاحب

ولادت وطن

۲۴- شوق قدوائی مولوی احمد علی صاحب

ولادت وطن

۲۵- شہاب الدین خاں

ولادت وطن

۲۶- طور غلام محمد مرحوم

ولادت وطن

۲۷- عزیز عزیز الرحمن صاحب

ولادت وطن بلگرام

۲۸۔ عزیز لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب

ولادت • وطن

۲۹۔ غالب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم

ولادت سنہ ۱۷۹۶ء وطن دلّی وفات سنہ ۱۸۶۹ء مدفن دلّی

۳۰۔ فقیر

ولادت وطن

۳۱۔ محروم منشی تلوک چند صاحب

ولادت وطن

۳۲- محوی - محمد حسین صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

۳۳- مرزا شوق نواب مرزا مرحوم

ولادت وطن لکھنؤ وفات مدفن

۳۴- سید محمد اسمٰعیل صاحب

ولادت وطن شکوہ آباد

جلد دوم صفحہ

۳۵- مہر منشی سورج نرائن

ولادت وطن

۳۶- میر میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلّی وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

۳۷- میر حسن میر غلام حسن مرحوم

ولادت وطن دلّی وفات مدفن لکھنؤ

۳۸- نسیم پنڈت دیا شنکر آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

۳۹- نشاط میر حیدر حسین صاحب

ولادت وطن اودھ

۴۰- نظیر شیخ ولی محمد مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن



پروفیسر الیاس برنی کی اُردو کتابیں

معاشیات

(۱) **علم المعیشت** - اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہی مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہی کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہی - خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہی - لطف یہ کہ یونیورسیٹوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں - ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہی - اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہی اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ - خوشنما جلد - بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی

اُردو شایع ہوئی ہے۔ قیمت چار روپیہ (للعہ ر)

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے ازحد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عملدرآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۶۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوگی تیار ہو رہی ہے۔

(۳) **مالیات** ۔ پبلک فنانس پر اُردو زبان میں یہ بھی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیوں کر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام قیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ازحد ضروری ہے ضخامت تخمیناً ۵۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمۃ المعاشیات** ۔ مورلیسنڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹواکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۰۰ ۵ صفحہ مجلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوگی۔

(۵) **ہندوستانی معاشیات** ۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۰۰ ۵ صفحہ مجلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوگی۔

(۶) **برطانوی حکومتِ ہند** ۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا British Administration in India کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحہ مجلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوگی۔
